بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۶۱ | ۲۵ رمئی ۲۰۲۴ء مطابق ۱۶ ذیقعدہ ۱۴۴۵ھ | شمارہ نمبر ۱۴

اس شمارے میں

شعروادب		
نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے	علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ	۴
اداریہ		
ہم اپنی عید قرباں کا جائزہ لیں!	شمس الحق ندوی	۵
بصیرت افروز		
علم کا رشتہ رب کے نام سے جوڑنا ضروری	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
محبت فاتحِ عالم		
حبِ نبیؐ کی پہچان اتباعِ سنت	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ	۹
فکر معاصر		
اخلاقی انحطاط اور ذہنی گراوٹ	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۰
یقین وعمل		
خاتم الامم امت کی ذمہ داری	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۱۱
راہِ عمل		
کامیابی کا سب سے بڑا نسخہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۴
تعلیم وتربیت		
مثالی طالب علم کے اوصاف	ڈاکٹر سراج الدین ندوی	۱۶
احکام ومسائل		
حج بدل کب اور کیسے کریں؟	مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری	۱۹
عشقِ الٰہی		
حج: اسلامی وحدت ومساوات	مولانا ضیاء الدین ندوی	۲۲
تعارف وتبصرہ		
پروفیسر محمد راشد اعظمیؒ کی جدید مطبوعات	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۲۷
شوقِ فراواں		
حج کا مقصد اصلی معرفتِ الٰہی	محمد اعظم ندوی	۳۰
تسلیم ورضا		
قربانی کا مقصد	محمد ارمغان بدایونی ندوی	۳۲
فقہ وفتاویٰ		
سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

معاون مدیر: محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت: مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)

IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157

State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ایم میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406

website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے 75$

ڈرافٹ منیجر تعمیرِ حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیرِ حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلدی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیرِ حیات)

پرنٹر پبلشر محمد طٰہٰ اطہر نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیرِ حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

نورِ حق بُجھ نہ سکے گا نفسِ اَعدا سے

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا　　تُو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا
قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویراں تیرا　　غیر یک بانگِ درا کچھ نہیں ساماں تیرا
نخلِ شمع استی و درشعلہ دوَد ریشۂ تو
عاقبت سوز بوَد سایۂ اندیشۂ تو

تُو نہ مِٹ جائے گا ایران کے مِٹ جانے سے　　نشۂ مے کو تعلّق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے　　پاسباں مِل گئے کعبے کو صنَم خانے سے
کشتیٔ حق کا زمانے میں سہارا تُو ہے
عصرِ نَو رات ہے، دھُندلا سا ستارا تُو ہے

ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا　　غافلوں کے لیے پیغام ہے بیداری کا
تُو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا　　امتحاں ہے ترے ایثار کا، خودداری کا
کیوں ہراساں ہے صَہیلِ فرَسِ اعدا سے
نُورِ حق بُجھ نہ سکے گا نفَسِ اعدا سے

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری　　ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری　　کوکبِ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری
وقتِ فُرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نُورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے

مثلِ بُو قید ہے غُنچے میں، پریشاں ہوجا　　رخت بردوش ہوائے چمَنستاں ہوجا
ہے تنک مایہ تو ذرّے سے بیاباں ہوجا　　نغمۂ موج سے ہنگامۂ طُوفاں ہوجا
قُوّتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے

☆☆☆☆☆

اداریہ

ہم اپنی عید قرباں کا جائزہ لیں!

شمس الحق ندوی

رمضان المبارک میں مسلمانوں کو، مردوں اور عورتوں سب کو، جو عاقل و بالغ ہوں، بیمار اور بہت زیادہ بوڑھے نہ ہوں بھوک ذرا دیر بھی برداشت نہ کرسکیں، روزہ رکھنے کا حکم ہے، اس روزہ سے مقصود صرف بھوکا رہنا نہیں ہے، بلکہ اس سے ایک خاص روحانی تربیت مقصود ہے، کہ جس طرح بندہ نے زندگی کے سارے مشاغل و ہنگاموں کے ساتھ پورا ایک مہینہ ہر قسم کی احتیاط کے ساتھ گزار لیا، غیبت و بدکلامی سے پرہیز کیا، کسی کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے، کسی کا حق مارنے اور دھوکا دینے سے احتیاط کی، غریبوں اور محتاجوں کی ضرورت پوری کرنے میں حوصلہ مندی دکھائی، ناچ گانے اور دیگر فحش کاموں سے بچا، اگر وہ ہمت سے کام لے اور تھوڑے سے عزم کا مظاہرہ کرے، تو پوری زندگی اسی طرح گزار سکتا ہے اور دنیا کی دیگر بے لگام قوموں کے درمیان ایک ایسے مثالی اور دلکش انسانی سماج ومعاشرہ کا نمونہ پیش کرسکتا ہے، جس کا ہر فرد دوسرے فرد کا ہمدرد و بہی خواہ ہوتا ہے، رات کے اندھیروں میں بھی، گھروں کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور سب کچھ محفوظ رہتا ہے، نہ چوری ہے، نہ ڈاکہ؛ بلکہ اس سماج کا ہر فرد سپاہی و چوکیدار ہے، جب ہر فرد سپاہی و چوکیدار کا رول ادا کرے تو چوری وڈاکہ کی ہمت کون کرے گا؟ اس نمونہ کی بستی میں اگر کوئی ایک بیمار پڑے تو پورا محلّہ اس مریض کے لیے فکرمند نظر آتا ہے، کوئی فقر و بدحالی سے دوچار ہو تو ہر ایک رات کے اندھیرے میں چپکے سے اس کی مدد کو حاضر، سفر میں ہو تو پورے محلّہ کے لوگ اس کے گھر بار اور بال بچوں کے ہر کام کو انجام دینے کے لیے تیار، غرض یہ کہ ہر ایک دوسرے کا ہمدرد و خیرخواہ، ہر چہار طرف محبت، خوش اخلاقی اور سکون واطمینان کا ماحول۔

رمضان گزر جاتا ہے تو سال بھر کے بعد آتا ہے جو مشق و تربیت ہوئی تھی، اگر مختلف طریقوں سے اس کو تازہ نہ کیا جاتا رہے تو انسان جس میں بھول وغفلت کا مادہ ہے: "الانسان مرکّب من الخطأ و النسیان"، دنیا کے جھمیلوں میں طرح طرح کے خطرات کبھی جاہ ومنصب کی شکل میں، کبھی شہرت وناموری کی صورت میں، کبھی حرام وحلال کی تمیز کے بغیر بے تحاشا مال و دولت جمع کرنے کی حرص و ہوس کی شکل میں سامنے آکر رمضان المبارک کی تربیت کے اثر کو کمزور کرنے لگتے ہیں، لہٰذا دوسرے عنوان اور دوسری صورت میں اس تربیت کو باقی رکھنے کا خدائی انتظام کیا گیا ہے۔

یہ نظام حج وقربانی کی صورت میں رمضان المبارک کے صرف سوا دو ماہ کے بعد آجاتا ہے، حج اگرچہ ہر مسلمان نہیں کرسکتا اور نہ ہی ہر ایک کو ہر سال اس کا مکلّف بنایا گیا؛ لیکن اس سے عشق وسرمستی کی ایک فضا ضرور قائم ہوجاتی ہے، جو مسلمان حج کو نہیں جاسکے، اب ان میں جو صاحب نصاب ہیں، ان پر قربانی فرض کرکے اور حج کے دس دنوں میں پہلی ذی الحجہ سے دسویں ذی الحجہ تک جب تک اپنی قربانی نہ کرلیں، حاجیوں کی مشابہت ومماثلت اپنانے اور اس یاد کو دیارِ حرم سے دور رہتے ہوئے بھی تازہ کرنے کے لیے

بال کٹوانے، ناخن ترشوانے سے رُکے رہتے ہیں، جو مسلمان قربانی کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے، ان کے لیے ان دس دنوں کی خیر و برکت روزہ اور نوافل کے ذریعہ حاصل کرنے کے لیے رحمت خداوندی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

قربانی میں بظاہر تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ایک جانور ذبح کر رہا ہے؛ لیکن حقیقت قربانی کچھ اور ہی ہے، جو بندۂ مومن کی تربیت کے لیے اپنے اندر بڑے رموز و اسرار کی حامل ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح و قربان کر دینے کا جو حکم ملا تھا وہ جسمانی قربانی سے بڑھ کر رمز تھا بڑی روحانی قربانی کا، انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ اپنی اولاد عزیز ہوتی ہے حتی کہ ایک وقت اس کی زندگی کی ساری تگ و دو اولاد ہی کے لیے مرکوز ہو کر رہ جاتی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری چلا دینا رمز تھا اس کا کہ ان کی پوری زندگی احکام خداوندی کی تعمیل کے لیے وقف ہے، چنانچہ اپنے ہرے بھرے اور شاداب و سدا بہار ملک شام کے ساتھ انہوں نے مکہ کی بے آب و گیاہ سرزمین کو اپنا وطن ثانی بنایا، اور اللہ کا نام بلند کرنے اور اس کے گھر کو بندوں کی جبینوں سے آباد کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً آتے جاتے رہے، اور ان کی اولاد بعثت نبوی ﷺ تک وہیں آباد رہی حتیٰ کہ نبوت کا بدر کامل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں وہیں چمکا اور ساری دنیا کو چمکا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ قربانی آنے والی نسلوں کے لیے نشانِ راہ کی حیثیت رکھتی تھی، لہٰذا اس یاد کو زندہ رکھنے کے لیے جانور کی قربانی فرض کر دی گئی کہ جب بندہ مومن قربانی کرے تو وہ ذبح عظیم اس کے سامنے تازہ ہو جائے، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی کو اللہ کے نام پر اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزار کر پیش کی کہ ہر بندۂ مومن اس نمونہ کامل کو تازہ کر کے، اس کو نمونہ بنا کر اللہ کے نام کو روشن کرنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دے، اگر جاہ و منصب کی طلب اس کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہو، تو اس کو خیر باد کہے، شہرت و نمود کا شوق اس راہ میں حارج ہو رہا ہو تو اسے بھی چھوڑ دے، مال و دولت کی طلب و لالچ اس راہ میں رکاوٹ بن رہی ہو، بلکہ اس زبردست قربانی کو داغ لگا رہی ہو تو اس سے بھی ہاتھ جھاڑ لے۔

آج اگر ہم اس آئینہ میں اپنی تصویر دیکھنا چاہیں تو ہماری صورت بہت بگڑی ہوئی نظر آتی ہے، عوام تو عوام، خواص کا یہ حال ہے کہ اپنی اَنا کے لیے، اپنی شہرت و ناموری کو بچانے یا اس کو حاصل کرنے کے لیے، اسی طرح حصول مال و زر اور شان و شوکت کے لیے اگر ملت کے بڑے سے بڑے مفاد کو قربان کر دینا پڑے تو اس میں باک نہیں ہوتا، کہاں وہ روحانی قربانی کہ جس کے لیے سب کچھ قربان کر دیا گیا، اور کہاں یہ عالم کہ چند روزہ زندگی کے مفاد و ناموری کے لیے اس بڑی قربانی ہی کو قربان کر دیا جائے، اس سیاق میں اگر ہم اپنی عید قرباں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ جانور کی شکل میں مادی و جسمانی قربانی تو ہم کرتے ہیں مگر روحانی قربانی کا خیال تک نہیں آتا، کتنا افسوس ناک ہے ہمارا یہ حال کہ جانور کی قربانی تو سال میں ایک بار کرتے ہیں اور معنوی و روحانی قربانی کو ہمہ وقت قربان کرتے رہتے ہیں، پھر قربانی کے وہ فوائد کہاں سے حاصل ہوں جن کے لیے جانور کی یہ قربانی فرض کی گئی ہے۔

ہم نے قربانی کی صورت کو تو اپنایا ہے، مگر اس کی حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے، اسی لیے ہم اپنے ہر منصوبہ میں ناکام، بلکہ دوسروں کے غلام بے دَام بنے ہوئے ہیں یا بن جاتے ہیں۔

☆☆☆

بصیرت افروز

علم کا رشتہ رب کے نام سے جوڑنا ضروری

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ".

[سورۃ العلق:۱-۵]

امت کی قسمت علم سے وابستہ

بڑے سوچنے کی بات ہے کہ جب کوئی چیز سامنے سے بار بار گزرتی رہتی ہے، خواہ وہ کوئی عمارت ہو، خواہ کوئی درخت ہو، خواہ کوئی تختہ آویزاں ہو، یا کوئی چیز بھی ہو، آدمی توجہ نہیں کرتا، گزر جاتا ہے، اس میں سوچنے کی بات ہے کہ پانچ سو برس کے بعد تقریباً آسمان کا رشتہ وحی کے ذریعہ سے، پیغام ربانی کے ذریعہ سے، اور ایک نئے دین کی شکل میں زمین سے قائم ہو رہا ہے، اور حضرت مسیح سیدنا عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کو زمین سے آسمان پر گئے ہوئے پانچ سو برس سے زائد گزر گئے ہیں، اب اس کے بعد انسانیت کو اللہ کی طرف سے ایک نیا پیغام مل رہا ہے، اگر اس وقت کے بڑے بڑے دانشوروں سے، بڑے بڑے انٹلکچول (Intellectual) اور بڑے بڑے اہل دماغ سے پوچھا جاتا کہ یہ بتایئے کہ آسمان سے اہل زمین کے نام پیغام آنے والا ہے، اس میں کیا کہا جائے گا؟ تو لوگ کہتے کہ عقائد کی بات ہوگی، ایمانیات کی بات ہوگی، عبادات کی بات ہوگی، اس میں باہمی تعلقات کی بات ہوگی، لیکن کسی کا ذہن اس طرف نہ جاتا کہ ایک ایسے ملک میں جہاں قلم ڈھونڈھنے سے ملتا، میں ایک عربی زبان کے طالب علم اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ اگر مکہ معظّمہ میں ڈھونڈھا جاتا تو اس وقت شاید تین چار قلم سے زیادہ نہ دیکھنے کو ملتے، اور یہ قوم جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا، آخری زمانہ تک کے لیے، ساری دنیا کے لیے وہ قوم ان پڑھ کے نام سے، Illiterate کے نام سے مشہور تھی، چنانچہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ یہودی کہا کرتے تھے: "لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ" [سورۃ آل عمران: ۷۵] ان عربوں کے ساتھ جو معاملہ کرو، مارو، پیٹو، جو چیز چھین لو، کوئی گناہ نہیں، کوئی پکڑ نہیں، یہ سب ان پڑھ ہیں، یہ جانوروں کی طرح ہیں، کوئی بیل کو مارے، کوئی بکری کو ہانک کر لے جائے، یا اس کو کوئی تکلیف پہنچائے، کوئی مؤاخذہ نہیں ہے، اور خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ" وہ جس نے ان پڑھوں میں اپنا ایک رسول بھیجا، اور ایک ان پڑھ قوم سے کیا کہا جائے گا؟ کیا کیا لوگ سوچتے اور کیا کیا کہتے، پہیلیاں بجھاتے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو شروع کیا: "اِقْرَأْ" کے لفظ سے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس امت کا دامن علم سے قیامت تک کے لیے باندھ دیا گیا ہے، اس امت کی قسمت علم سے وابستہ کی گئی ہے، اور کبھی اس علم سے اس کا رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا، کوئی ملک ہو، کوئی زمانہ ہو، کوئی تہذیب ہو، کوئی فتح ہو، لیکن یہ امت جہاں بھی ہے، مسلمان جہاں بھی رہتے ہیں، ان کو پڑھنے کی ضرورت ہے، اپنے بچوں کو پڑھانے کی ضرورت ہے، مدرسوں کو قائم کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ یہی ہوا کہ اس امت نے علم کی ایسی خدمت کی ہے اور ایسے کتب خانے تیار کر دیے ہیں کہ ایک بڑی تعداد میں اور ایک بڑی مقدار میں موجود ہیں، اور دنیا کے اندر خود مغربی مؤرخین نے اعتراف کیا ہے کہ اس قسم کے مدارس کا سلسلہ کبھی کسی قوم میں نہیں رہا، اور ایسی کتابوں کا ذخیرہ بھی کوئی قوم نہیں پیش کر سکتی ہے، پہلی وحی ربانی جو نازل ہوئی اس میں کہا گیا کہ: "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ" پڑھو، خطاب کس کو ہے؟ خود نبی امی کو، جو خود پڑھے ہوئے نہیں ہیں، "اِقْرَأْ" پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھیے جس نے پیدا کیا، اس وقت موقع نہیں ہے ورنہ میں تاریخ کے ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے بتاتا کہ دنیا میں فساد اس وقت آیا جب سے علم کا رشتہ اسم سے ٹوٹ گیا۔

علم اور اسم

اللہ تعالیٰ نے علم اور اسم کو جوڑ دیا ہے، لہٰذا علم کو بسم اللہ سے شروع ہونا چاہیے، یعنی علم کو، کتاب کو، مدرسہ کی تعلیم کو، بسم اللہ سے شروع ہونا چاہیے، اور اس وقت سے دنیا میں علم بجائے فائدہ پہنچانے کے نقصان پہنچا رہا ہے، جب سے اس کا رشتہ اللہ کے نام سے ٹوٹ گیا اور دوسری چیزوں کے ساتھ جوڑ دیا گیا، طاقت کے ساتھ، سیاست کے ساتھ، شہرت کے ساتھ، دولت کے ساتھ،

عزت کے ساتھ، ناموری کے ساتھ، اس وقت سے علم میں برکت نہیں رہی، تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی سے فرماتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ! پڑھیے لیکن اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھیے، اگر رب کے نام کو چھوڑ کر آپ نے پڑھا، یا اور کسی نے پڑھا تو اس کو فائدہ نہیں پہنچے گا: "بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ" اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، "خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ" اس میں ایک ایک جملہ، ایک ایک لفظ جو ہے وہ وحی کا لفظ ہے اور حکمتوں سے بھرا ہوا ہے، پڑھیے "بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ" اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، "خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ" اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھیے، لیکن اپنی ہستی نہ بھولیے، یہ نہ بھولیے کہ آپ ہیں کون؟ آج دنیا میں جو کچھ فساد ہے، آج یورپ اور امریکا بڑے پڑھے لکھے ملک ہیں، لیکن ان کے علم سے فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے، بلکہ نقصان پہنچ رہا ہے، اس لیے کہ وہ اپنی ہستی کو بھول گئے، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو پہاڑوں پر چڑھ جاتے ہیں، ہم تو ہوا میں اڑتے ہیں، اور پانی پر چلتے ہیں، اس کی وجہ سے ان کے علم کا رشتہ اسم سے ٹوٹ گیا، ان کا رشتہ اپنے خالق سے ٹوٹ گیا، اب علم میں کوئی برکت نہیں، آپ وہاں جا کر دیکھیے، بڑا علم ہے، بڑے بڑے پریس اور بہت بڑے بڑے نشر واشاعت کے ذرائع ہیں؛ لیکن ہدایت نہیں ہے، خدا کی صحیح معرفت نہیں ہے، خدا کا خوف نہیں ہے، بقول فلسفی کہ ایک شخص نے کتاب لکھی ہے، جس میں لکھا ہے کہ ہندوستان سے ایک فلسفی صاحب آئے تو وہاں کے ایک شخص نے ان سے کہا: دیکھیے صاحب! ہم تو ہوا میں اڑنے لگے ہیں، اتنی دیر میں ہم فلاں جگہ پہنچ جاتے ہیں، ہم پانی پر چلنے لگے ہیں اور ہم بے خوف وخطر سمندری سفر بھی کر لیتے ہیں، فلسفی نے جواب دیا: مگر زمین پر آدمیوں کی طرح چلنا کبھی نہیں آیا۔

بغیر اسم کے علم ظلمت

جو لفظ ہے وہ بالکل معجزہ ہے، وحی ہے، پڑھیے مگر اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھیے، بغیر اللہ کے نام کے اگر آپ پڑھیں گے اور اللہ کو خالق اور رازق سمجھے بغیر پڑھیں گے، تو اس علم سے فائدہ نہیں ہوگا، اس سے نور نہیں پھیلے گا، ظلمت پھیلے گی، اس سے اپنی ہستی کو مت بھولیے گا، آج تمام کالجوں اور یونیورسٹیوں میں یہی ہو رہا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے اونچے لوگ ہیں، بڑی اونچی مخلوق ہیں، بڑے ذہین ہیں، لیکن قرآن کہتا ہے کہ "خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ" اللہ نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے، تمہارا رب تو بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا، تو قلم کی بھی بہت بڑی اہمیت بتائی گئی، تو یہ سب مدرسے قلم ہی سے چل رہے ہیں، قلم سے لکھنے کے بعد ہی کوئی چیز پڑھی جاتی ہے اور پڑھائی جاتی ہے۔

اس سے زیادہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے، اللہ تعالیٰ یہاں سے ہدایت پھیلائے، نور پھیلائے، اپنا علم پھیلائے، اپنے نبی کی محبت کا فیض پھیلائے، اور شریعت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

ناصحانہ اور ہمدردانہ طریقہ اپنائیں!

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

موجودہ حالات میں داعیانِ اسلام اور مصلحین کے لیے ضروری ہے کہ تجربات کی روشنی میں اس سلسلہ میں غور وخوض کریں، قرآن وسیرت میں ذکر کردہ طریقۂ دعوت و اصلاح اور ماضی میں داعیانِ اسلام نے ظالم وجابر حکمرانوں کے سامنے دعوت کا کیا طریقہ اختیار کیا تھا، اس کا مطالعہ کریں، تاریخ میں بہت ساری مثالیں ایسے مفکرین اور مصلحین کی موجود ہیں جنہوں نے مذاکرات اور بات چیت کے ذریعہ حکام اور مصلحین کے درمیان آپسی ٹکراؤ وکشمکش کو ختم کیا اور ناصحانہ انداز میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا، ان کے ناصحانہ اسلوب نے مخاطبین پر اچھا اثر ڈالا اور امید افزا نتائج برآمد ہوئے۔

موجودہ حالات میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم ناصحانہ اور ہمدردانہ طریقہ اپنائیں اور دعوت دین کے فریضہ کو حکمت ودور اندیشی سے انجام دیں، تعلیم یافتہ طبقہ، اسلامی ممالک کے حکمراں، فکری رہنمائی، تعلیم وتربیت اور ذرائع ابلاغ کے ذمہ داروں میں اسلام کی بے پناہ صلاحیت وقدرت کا اعتماد پیدا کریں، انسانی کارواں کو اعلیٰ اقدار اور زندگی کی کشتی کو امن وسلامتی اور خوش بختی کے ساحل پر لانے کی کوشش کریں۔

محبت فاتحِ عالم

حبِ نبیؐ کی پہچان اتباعِ سنت

افادات مجالسِ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب وپیشکش: محمد سلمان بجنوری

کسی سے محبت کا تقاضا

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر محبت کا مادہ رکھا ہے، انس ومحبت کا ہونا فطری چیز ہے، انسان کسی نہ کسی سے محبت کرتا ہے، محبت کے درجات الگ ہوسکتے ہیں، آدمی اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے، اس کے اظہار کا طریقہ الگ ہوگا، آدمی اپنی اہلیہ سے محبت کرتا ہے اس کا طریقہ اور اظہار الگ ہوگا، آدمی اپنے دوستوں سے محبت کرتا ہے اس کا طریقہ الگ ہوگا، آدمی اپنی ماں بہن سے محبت کرتا ہے اس کا طریقہ الگ ہوگا، یہ محبت کے خانے ہیں، آدمی جس طرح اپنی بیوی سے محبت کرتا ہے اور جس طرح اس کے ساتھ پیش آتا ہے، اس طرح اپنی بہن یا ماں کے ساتھ پیش نہیں آسکتا، نہ اس طرح اس کے دل میں خیال آسکتا ہے، آدمی کو کسی سے محبت ہے اس کا پتہ اس کے رویہ اور معاملات سے ہوتا ہے، اگر باپ اپنے بچوں سے محبت کرتا ہے تو ان کا خیال کرتا ہے، ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر بچوں کا کوئی مطالبہ ہو تو اس کو پورا کرتا ہے، بیوی سے محبت ہے، اس کے جائز تقاضوں کو پورا کرتا ہے، اگر کوئی جگری دوست ہے تو اس کی خواہش بھی آدمی پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس کا خیال کرتا ہے، والدین سے محبت ہے تو ان کے حکموں کو بجالاتا ہے، یہی محبت کا تقاضا ہے، اگر کوئی خالی دعویٰ کرے کہ مجھے اپنے بچوں سے محبت ہے، ماں باپ سے محبت ہے؛ لیکن ان کا خیال نہ رکھے تو کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ اس کو محبت ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے، اس کو کہنے کی ضرورت نہیں کہ مجھے ماں باپ سے محبت ہے، بلکہ ان کے حکموں کو بجالانے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے دوسرے لوگ سمجھ جائیں گے کہ اس کو اپنے ماں باپ سے محبت ہے؛ کیونکہ محبت کا تقاضا یہی ہے کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتا۔

حقیقی محبت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر انسان کے اندر محبت رکھی ہے، انسان دنیا سے محبت کرتا ہے، مال و دولت سے محبت کرتا ہے، اپنے عزیزوں سے محبت کرتا ہے؛ لیکن حقیقی محبت وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، یعنی تمام محبتوں سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو، یہی حقیقی محبت ہے، اور اس محبت کا اندازہ ہمیں اپنے اعمال سے لگانا ہوگا، خالی زبان سے کہہ دینا یا نعرے لگانے سے نہیں ہوگا، یا بڑے بڑے جلوس نکالنے سے نہیں ہوگا، جب محبت ہوگی تو لوگ خود بخود پہچان لیں گے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے، نہ کسی نعرے کی ضرورت ہے نہ کوئی اعلان کرنے یا اشتہارات لگانے کی ضرورت ہے بلکہ ہمارا عمل اور ہماری زندگی اور ہمارے شب وروز بتائیں گے کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے یا نہیں۔

ہم سب کو غور کرنا چاہیے کہ کوئی دکاندار اگر اچھا سامان اپنی دکان میں رکھتا ہے، ہیرا پھیری نہیں کرتا، تو لوگ خود بخود اس کی دکان کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں، اس کو کسی نے اشتہار لگاتے یا اعلان کرتے نہیں دیکھا ہوگا، سب جان لیتے ہیں کہ فلاں دکاندار اچھا ہے، لوگ دور دور سے آتے ہیں اور اس کا سامان خریدتے ہیں، اگر ہماری زندگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہوتی، ایک عمل بھی ہمارا سنت کے خلاف نہ ہوتا، یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضا ہے، سیرت جلسے کرنا مفید ہے اس وقت جبکہ عوام الناس اور معاشرے پر اس کے اچھے اثرات ظاہر ہو رہے ہوں؛ لیکن اگر یہ جلسے جلوس ایک رسم بن گئے ہیں یا اور کوئی مقصد پیش نظر ہے تو ایسے جلسوں سے کوئی فائدہ نہیں۔

طالبانِ علوم نبوت کے لیے لمحہ فکریہ

آپ کو ایک ایسی نسبت حاصل ہے جو کسی کو حاصل نہیں، آپ سب کو نبوی نسبت حاصل ہے، آپ نبوی علوم کو حاصل کر رہے ہیں، لوگ آپ کو بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، بعض علاقوں میں تو آپ حضرات کا بڑا اکرام کیا جاتا ہے، ایسا کیوں ہے؛ کیونکہ آپ نبوی علوم سے وابستہ ہو گئے ہیں، میں تو سمجھتا ہوں کہ ہمارا کبھی اس طرف ذہن ہی نہیں جاتا اور نہ ہم کبھی اس بارے میں کچھ خیال کرتے ہیں، کبھی ہم احساس ہی نہیں کرتے کہ ہم کیا حاصل کر رہے ہیں، یہ بڑی خطرناک بات ہے، جب تک احساس نہیں ہوگا اس وقت تک ہم کچھ نہیں کرسکتے، نبوی علوم کی ہمیں نسبت حاصل ہے، کم از کم ہم اس کا تو خیال کریں،.....

.....بقیہ صفحہ ۱۳ پر

فکر معاصر

اخلاقی انحطاط اور ذہنی گراوٹ

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

بے اصل اور لایعنی باتوں کو اکثر لوگ خرافات سے تعبیر کرتے ہیں، اس لفظ کا قصہ یوں بتایا جاتا ہے کہ عرب میں قبیلۂ جہینہ کے ایک شخص کا نام ”خرافہ“ تھا جسکو جنوں کی ایک جماعت اچک لے گئی تھی اور وہ ان کے پاس ایک عرصہ تک مقیم رہا، پھر جب اس کو رہائی حاصل ہوئی اور اپنی قوم میں واپس آیا تو وہ بے شمار ایسی ایسی باتیں اور قصے بیان کرنے لگا کہ بالآخر لوگ اس کی صداقت پر شبہ کرنے لگے، اور کچھ ہی دنوں بعد وہ اپنی دروغ بیانی اور مبالغہ آمیزی میں ایسا مشہور ہوا کہ خرافات ہر بے اصل اور لایعنی بات کا نام پڑ گیا، اور اسی وقت سے خرافات کی اصطلاح چل پڑی۔

یہ قصہ تاریخی حیثیت سے چاہے جیسا کچھ بھی ہو، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کذب بیانی اور مبالغہ آمیزی میں بڑی لذت ہے، مثلاً ایک باتونی شخص کو آپ لے لیجیے، اس کو جتنی دلچسپی مجلس آرائی اور مبالغہ آمیز گفتگو سے ہوگی اتنی شاید کسی اور چیز سے نہ ہو، چنانچہ وہ اپنی اس ہوس کو پوری کرنے کے لیے بے حقیقت واقعات کو اصل بنا کر پیش کرنے اور اس میں رنگ آمیزی کرنے کے لیے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتا ہے، وہ لوگوں کو ہنساتا ہے اور ان کو متاثر ہوتے ہوئے دیکھ کر بے حد خوش ہوتا ہے۔

ہمارے معاشرہ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے جن کا مزاج ہی یہ ہے کہ وہ ہر بات میں رنگ بھر کر اور اس کو مبالغہ کے ساتھ بیان کریں، اس طرح کے لوگ اکثر دوسروں سے سنی ہوئی بات یا کسی واقعہ کو ایسے زاویے سے نقل کرتے ہیں کہ اگر وہ معمولی اور ناقابل اعتنا ہو تب بھی بہت زیادہ ہیبت ناک اور قابل توجہ بن جائے، وہ ایک بات میں کئی بات اور ایک پہلو میں متعدد پہلو ملا کر کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سامعین پر اثر پڑنا ضروری ہوتا ہے۔

یہ ایک عادت یا معمول ہے جس میں علم و جہل، افراد و جماعت اور چھوٹے بڑے کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ ایک واقعہ پیش آتا ہے، جو اپنی عمومیت کے لحاظ سے سب پر عیاں ہے، مجالس و محافل میں اس کا چرچا ہے، اخبارات میں اس کی خبریں شائع ہو رہی ہیں؛ لیکن آپ دیکھیں گے کہ جتنی مختلف مجالس ہیں اتنی ہی مختلف باتیں ہو رہی ہیں، وجہ بالکل ظاہر ہے کہ ہر شخص اس خبر یا واقعہ کو زیادہ سے زیادہ اہم بنا کر پیش کرنا چاہتا ہے، تاکہ اسی کے مطابق اس کی اہمیت کا اظہار ہو سکے، اور کسی نہ کسی پہلو سے وہ لوگوں کی نگاہوں میں ممتاز نظر آئے۔

کسی بات کو پھیلا کر اس کو اہم بنانے میں لاشعور کا وہ جذبہ کام کرتا ہے جس میں انسان کو اپنی شخصیت کا احساس ہوتا ہے، یہی احساس بعض وقت بہت زیادہ مبالغہ آمیزی پر مجبور کرتا ہے، جہاں سے ایک معمولی حیثیت کا انسان تھوڑی دیر کے لیے بڑی شخصیت کی شکل میں اپنے آئینے میں دکھائی پڑتا ہے۔

مبالغہ آمیزی یا کذب بیانی ایک ہی جنس کی دو چیزیں ہیں، اس جنس میں چونکہ نفس کو بے حد لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے، اس لیے اس کی طرف میلان ہونا ایک فطری بات ہے، نفس کے اس میلان کو اگر کوئی چیز روک سکتی ہے تو وہ صرف دینی بیداری یا خدا کا خوف ہی ہو سکتا ہے، سچ بولنے میں بعض اوقات بظاہر خسارہ اور جھوٹ میں نفع نظر آتا ہے؛ لیکن اس کے باوجود جھوٹ کا باطنی خسارہ اس قدر بھیانک ہے کہ اس کی مثال معاشرہ میں قدم قدم پر ملتی ہے، چور اپنی چوری میں ماخوذ ہو جاتا ہے تو وہ مختلف طریقوں اور جھوٹ کے ذریعہ اپنی بے گناہی کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے؛ لیکن جوں ہی کوئی فوری اور تکلیف دہ سزا اس کو ملی وہ فوراً اپنی غلطی کا اقرار کر لیتا ہے، حالانکہ اگر وہ صحیح بولتا اور اپنی چوری پر ندامت کا اظہار کر لیتا تو شاید اس کو یہ سزا بھی نہ بھگتنی پڑتی، نفس کے اسی رجحان کو بدلنے کے لیے شریعت نے بار بار معاشرہ کی اس خطرناک بیماری کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس سے باز رہنے کی ترغیب دی ہے۔

اس کے برعکس دنیا کے کسی بھی معاشرہ کو آپ لے لیجیے، کہیں بھی جھوٹ، مبالغہ آمیزی اور دروغ بیانی سے روکنے کے لیے کسی قانون یا جھوٹ بولنے پر کسی خاص قانونی سزا کا وجود نہیں ہے، اگر ہم غور کریں تو یہ بات بالکل صاف طور سے نظر آتی ہے کہ جس معاشرہ کے افراد آپس میں کذب بیانی روا رکھتے ہوں وہ ہرگز کامیاب اور مؤثر سوسائٹی قائم کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے، اور نہ وہ دنیا میں کوئی ذہنی یا فکری انقلاب برپا کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔

اسلامی معاشرہ اپنے پہلے دور میں جن خصوصیات کا حامل تھا، ان میں حق گوئی اور بے باکی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، تاریخ میں اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں، بڑے بڑے بادشاہوں کے سامنے حق گوئی و راست بازی کا وہ معیار اس معاشرہ کے افراد نے قائم کیا جس کی مثال اب مفقود ہے، یہی وجہ تھی کہ.....

.....بقیہ صفحہ ۱۳ر پر

یقین وعمل

خاتم الامم امت کی ذمہ داری

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

وعن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في قوله تعالى: "كنتم خير أمة أخرجت للناس" قال: أنتم تتمون سبعين أمة، أنتم خيرها وأكرمها على الله تعالىٰ. [رواه الترمذي وابن ماجة والدارمي وقال الترمذي: هذا حديث حسن، مشكوٰة المصابيح، كتاب المناقب، باب ثواب هذه الأمة، الفصل الثالث: ٦٢٨٥]

(حضرت بہز بن حکیم اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے اس قول "کنتم خیر أمة أخرجت للناس" (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے) کی تفسیر کرتے ہوئے سنا کہ تم ستر امتوں کا تتمہ وتکملہ ہو اور تم ان میں اللہ کے نزدیک سب سے بہتر اور باعزت ہو)۔

حدیث شریف میں اس امت کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ امت ستر امتوں کا تکملہ ہے یعنی ستر امتوں کے سلسلہ کو اللہ نے اس امت پر مکمل کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں ستر کا لفظ تحدید کے لیے نہیں بلکہ تکثیر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا اور آپ کی شریعت کو خاتم الشرائع بنایا، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خاتم الامم بنایا۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ امت خاتم الامم ہے، اب نہ کوئی نبی آئے گا، نہ کوئی شریعت آئے گی اور نہ کوئی امت آئے گی۔ اس لیے یہ امت جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے امت اجابت بنایا ہے، جس نے بات سنی اور مانی ہے اور جو اس دین کی حامل ہے، جو کتاب وسنت کا فہم رکھتی ہے، اس کی بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ دعوت کا کام کرے:

"كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ" [آل عمران:۱۱۰] (تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے، تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)۔

اس آیت میں امت مسلمہ کے برپا کرنے کا مقصد اور اس کی ذمہ داری یہ بتائی گئی ہے کہ اس دنیا میں جو بھی برائیاں پھیلیں اور جو بھی بگاڑ پھیلے، تو اس کے مقابلہ میں تم اچھائیوں کو عام کرنے، اچھائیوں کی تلقین کرنے اور لوگوں کو برائیوں سے دور کرنے کی بھرپور کوشش کرو اور اسی کے ساتھ ساتھ ہمیشہ اپنے ایمان کا بھی جائزہ لیتے رہو اور اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہو۔

واقعہ یہ ہے کہ آدمی جب دعوت کا کام کرتا ہے اور ہر طرح کے لوگوں سے ملاقاتیں کرتا ہے تو کبھی اس کے دل پر ایک زنگ آجاتا ہے اور اس وقت تجدید ایمان کی سخت ضرورت ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس اخیر دور میں دعوت واصلاح کے لیے قبول کیا اور ساری دنیا میں اللہ نے ان سے بڑا کام لیا اور ان کے اس سلسلہ دعوت وتبلیغ کے ذریعہ سے کروڑوں لوگوں کو ہدایت کا راستہ ملا، ان کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ میوات میں گشت کرتے تھے تو کچھ عرصہ گذرنے کے بعد حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائے پوریؒ جو اپنے وقت کے بڑے شیخ ومرشد تھے اور ہمارے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے بھی شیخ تھے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ ان کی خدمت میں تشریف لے جاتے تھے اور یہ جملہ فرماتے تھے کہ:

''حضرت! لوگوں سے مل مل کر دل پر زنگ آگیا ہے، اس زنگ کو چھڑانے کے لیے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں''۔

وقت کی ایک بنیادی ضرورت

دعوت وتبلیغ کا کام، لوگوں سے ملاقاتیں، سماج کی اصلاح کرنا، برائیوں سے لوگوں کو دور کرنے کی کوشش کرنا، ہماری بنیادی ذمہ داری ہے۔ خاص طور پر آج کے اس دور میں ہمیں ارتداد کی ایک لہر نظر آتی ہے، نہ جانے کتنی مسلمان بچیاں اور نوجوان غلط راستے پر جارہے ہیں اور ان کے ایمان کا سودا ہورہا ہے، اس وقت ہمارے طلبہ کی، ہمارے فارغین کی اور ہمارے علماء کی بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ انہیں اپنی ہر طرح کی خواہشات سے اور اپنے دل کے اندر کی چاہتوں سے ذرا سا دست بردار ہوکر میدان عمل میں آنا ہوگا، اپنے آپ کو کھپانا ہوگا اور اللہ کے دین کے لیے اپنے آپ کو آگے بڑھانا ہوگا، تاکہ وقت کی

ایک بنیادی ضرورت پوری ہو سکے اور بلاشبہ یہ ضرورت ہمارے علماء ہی سے پوری ہوسکتی ہے۔

موجودہ حالات کے تناظر میں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا ایک بلیغ جملہ میں آپ کے حوالہ کرتا ہوں، وہ فرماتے تھے کہ:

''اس ملک کو اسپین بنانے کا پورا نقشہ تیار ہے اور یاد رکھئے! اگر ہمارے علماء اس کا مقابلہ کرنے کے لیے نکل کھڑے نہ ہوئے، اور انہوں نے کوششیں نہ کیں تو دنیا کی کوئی طاقت اس ملک کو اسپین بنانے سے نہیں بچا سکتی''۔

روشنی کی کرن

اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے علماء میدان عمل میں ہیں، وہ مدارس قائم کرتے ہیں، مکاتب قائم کرتے ہیں، اسلامک اسکول قائم کرتے ہیں، دعوت کا کام کرتے ہیں، تقریریں کرتے ہیں، میدان میں جاتے ہیں اور پیام انسانیت کے مشن سے بھی جڑے ہوئے ہیں، تاکہ ہمارے برادران وطن جن کو غلط فہمیوں کا شکار کیا جارہا ہے، جن کے ذہن ودماغ کو گویا کڑوا کیا جارہا ہے، ہم اپنی ان کوششوں کے ذریعہ سے ان کے دماغوں کو مطمئن کریں، ان کی غلط فہمیوں کو دور کریں، ہم اپنے اخلاق کی بلندی سے ان کے اندر وہ جذبہ پیدا کریں کہ وہ دین سے مانوس ہوں، اسلام کے بارے میں ان کی غلط فہمیاں دور ہوں اور اسلام کے بارے میں ان کے اندر ایک شوق اور تجسس پیدا ہو۔ بلاشبہ موجودہ حالات میں یہ چیز ہمارے لیے روشنی اور امید کی ایک کرن ہے۔

اخلاقی بلندی کے ثمرات

ہمارے ایک دوست امریکہ سے آئے تو انہوں نے بتایا کہ الحمد للہ مجھے امریکہ میں مسلمانوں کے اخلاق کی بلندی بہت واضح طریقہ پر نظر آئی۔ اس کی انہوں نے ایک چھوٹی سی مثال دی کہ وہاں مسجد میں آٹومیٹک دروازے لگے ہوتے ہیں جو خود بخود بند ہوتے ہیں، اس لیے جب مسجد سے لوگ نکلتے ہیں تو ایک آدمی نکلتے وقت دروازہ کو روک کر کھڑا ہوجاتا ہے تاکہ دوسرے کو دروازہ کھولنا نہ پڑے، پھر وہ جب نکلتا ہے اور آگے والا جاچکا ہوتا ہے تو وہ دروازہ پکڑ کر کھڑا ہوجاتا ہے تاکہ دوسرے آنے والے کو دروازہ کھولنے کی زحمت نہ ہو۔ بظاہر یہ بہت چھوٹی سی بات ہے؛ لیکن انہوں نے اس کا نتیجہ یہ بتایا کہ ایک مرتبہ دو لوگ آئے اور وہاں کے رواج کے مطابق انہوں نے مسجد میں آکر امام صاحب سے کہا کہ ہم شہادتین پڑھنا چاہتے ہیں یعنی اسلام لانا چاہتے ہیں، الحمد للہ امام صاحب نے نماز کے بعد ان دونوں کو کلمہ پڑھوایا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے ایک عجیب وغریب بات کہی جس کو سن کر مجھے بھی خوشی ہوئی، وہ کہنے لگے کہ ہم نے اسلام قبول کرنے کے لیے کسی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا یا بلکہ ہم نے صرف آپ کے اخلاق کو دیکھ کر اسلام قبول کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آج اسی چیز کی سب سے بڑھ کر ضرورت ہے کہ ہم اپنے اخلاق کی بلندی سے لوگوں کے دلوں تک پہنچنے کی کوشش کریں، لیکن یہ جب ہوگا جب سرکار دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام زندگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام اخلاق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کیا ہوا معاشرتی حسین گلدستہ ہم اپنے دل ودماغ میں سجالیں اور اپنے عمل کو اس کے مطابق بنالیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آج شاید دنیا اسی کی ضرورت مند اور محتاج ہے اور اس کے ذریعہ سے ہم بہت آگے جاسکتے ہیں۔

ایک ضروری وضاحت

اس موقع پر یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ بے شک علماء کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں اپنی جگہ، لیکن ''خیر امت'' کا لقب صرف علماء کا نہیں ہے بلکہ اس امت کے ہر فرد کا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سب کو خیر امت بنایا ہے اور ہم سب کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم سماج کو بہتر بنانے کی کوشش کریں، اپنے عقائد کو مضبوط رکھیں، اپنے یقین کو اللہ پر مضبوط رکھیں، یہ یقین کہ اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے وہ جو چاہے کرے، اسی کے اختیار سے دنیا میں سب کچھ ہوتا ہے اور دنیا میں جو کچھ ہورہا ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ گھوڑے کی لگام ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے، بلکہ وہ سب اللہ کے کرنے سے اور اللہ کے حکم سے ہورہا ہے۔

اس وقت مسلمانوں پر جو حالات ہیں وہ خود مسلمانوں ہی کی بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ'' [الروم:۴۱] (لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی ہے کہ خشکی اور تری میں بگاڑ پھیل گیا ہے تاکہ وہ کچھ ان کے کرتوتوں کا ان کو مزہ چکھادے، شاید وہ باز آجائیں)۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

''وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ''[الشوریٰ:۳۰] (اور تم جس مصیبت سے بھی دوچار ہوتے ہو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور کتنی چیزیں وہ درگزر کرجاتا ہے)۔

سب سے اہم مسئلہ

حقوق وواجبات اور بالخصوص وراثت کی تقسیم کا مسئلہ سب سے بڑھ کر اہم ہے، لیکن اس سلسلہ میں بھی مسلمانوں کے اندر بڑی غفلت ہے۔ ہم میں کتنے لوگ ہیں جو شریعت کے مطابق اپنی وراثت کو تقسیم کرتے ہیں اور کتنے لوگ ہیں جو دوسروں کا حق جوان کے ذمہ واجب ہے وہ ان کو ادا کرتے ہیں، ہم میں کتنے لوگ ہیں جو مال میں ایک ایک پیسے اور ایک ایک حبہ کا حساب رکھتے ہیں کہ ہمارے ذمہ کسی کا حق نہ رہ جائے، یقیناً یہ بڑی خطرناک بات ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق معاف فرما سکتا ہے، لیکن بندوں کے حقوق معاف نہیں کرتا، جب تک کہ وہ بندہ خود معاف نہ کردے یا اس کا حق ادا نہ کردیا جائے۔ اللہ ہم سب کی حفاظت کرے، ہمیں صحیح دین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہمارے عقائد کو مضبوط فرمائے اور ہمارے اعمال میں بھی پختگی پیدا فرمائے۔

ہمیں سنجیدگی کے ساتھ اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنانے کی ضرورت ہے تاکہ ہم سماج کو بہتر بنائیں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنی زندگی کو ایک بہتر رخ دیں اور آج کی دنیا کے حالات کو دیکھتے ہوئے اپنے اندر ایک قوتِ عمل پیدا کریں اور ہر طرح کی مایوسی سے ہٹ کر یہ سوچیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ''خیر امت'' کا لقب دیا ہے اور ہم پر ایک بڑی ذمہ داری ڈالی ہے۔ اس لیے ہمیں میدان عمل میں آکر قربانی کے ساتھ اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانا ہے اور ان کو صحیح راستہ بتانا ہے، اگر ہم نے یہ ارادے کرلیے تو ان شاء اللہ تبدیلی آئے گی اور حالات بہتر ہوں گے۔

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۹/ کا

ہمارے متعلق لوگ بہت کچھ سوچتے ہیں، اچھا گمان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے گمان کے مطابق بنادے، کچھ عرصہ بعد آپ کا شمار طبقہ علماء میں ہونے لگے گا، یہاں سے جانے سے پہلے پہلے ہم وہ تمام صفات اپنے اندر پیدا کرلیں جو علماء کے شایان شان ہیں، ہمیں تو امت کے لیے نمونہ بننا ہے، ہماری زندگی تو سنت نبویؐ کے سانچے میں ڈھلی ہو، ہم تو ایسے بن جائیں کہ کوئی عمل ہمارا سنت کے خلاف نہ ہو، ہم احادیث بھی پڑھتے ہیں قرآن پاک کی تفسیر بھی پڑھتے ہیں، سیرت کی کتابوں کا مطالعہ بھی کرتے ہیں پھر کیوں ہماری زندگی نبوی صفات سے عاری ہوتی ہے، بعض مرتبہ ہمارے ساتھی ایسی بری عادتوں کے عادی ہوجاتے ہیں جو ہمارے لیے کیا کسی کے لیے بھی جائز نہیں، ہماری طرف سے اگر چھوٹی سی غلطی بھی سرزد ہوگی تو اس کو بہت بڑا سمجھا جائے گا، تو بڑے احتیاط سے چلنے کی ضرورت ہے۔

بعض مرتبہ ہمارے ساتھ لغو کاموں میں اپنا قیمتی وقت ضائع کردیتے ہیں، یا دوستوں کے سیر و تفریح کرنے یا بازاروں میں گھومنے میں لگے رہتے ہیں، یا کہیں مجلس لگا کر بیٹھتے ہیں تو ایک دوسرے کی چغلی اور غیبت کے مرتکب ہوتے ہیں اور نہ جانے کیا کیا برائیاں کرتے ہیں، ہم اس نسبت کا خیال کریں جو ہمیں حاصل ہے، ہم رات دن قرآن وحدیث سنتے اور پڑھتے ہیں، لہٰذا سب سے زیادہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونی چاہیے، اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی بھی عمل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۱۰/ کا

وہ سوسائٹی نہایت پاک وصاف اور اخلاقی اقدار کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی، وہاں کذب وافترا، اور ریاکاری ومصلحت بینی کا کہیں وجود نہ تھا۔

لیکن زمانہ جوں جوں گذرتا گیا، اخلاقی انحطاط بھی رونما ہوتا گیا اور اب اسلامی معاشرہ میں وہ ساری خرابیاں اور وہ تمام خطرناک بیماریاں داخل ہوچکی ہیں جو نہ صرف چند افراد یا کسی جماعت کے لیے خسارہ وہلاکت کا باعث ہیں، بلکہ پوری سوسائٹی اس خطرہ سے دوچار ہے، قدم قدم پر ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں سراسر اخلاقی انحطاط اور ذہنی گراوٹ کی کارفرمائی ہوتی ہے۔

معاشرہ کا ایک شخص کبھی اپنے دوسرے ساتھی کے لیے کسی عزت، بڑائی اور بلندی کو نہ صرف یہ کہ گوارا نہیں کرسکتا، بلکہ اس کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ عزت وبڑائی اس شخص سے منتقل ہوکر اس کی طرف آجائے، اگر صرف اتنا ہی ہوتا کہ کسی کی عزت وبلندی کو دیکھ کر یہ تمنا ابھرتی کہ وہ اس کے اندر باقی رہتے ہوئے اپنے اندر بھی پیدا ہوجائے تو زیادہ نقصان دہ نہ تھا، لیکن نفس کی خواہش یہ ہوتی ہے:

- دوسرے کو نقصان پہنچا کر خود فائدہ حاصل کرنا۔
- دوسرے کو ذلیل کرکے خود عزت ووقار پانا۔
- دوسرے کو محتاج بنا کر خود صاحب دولت ہونا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان خرابیوں کی ایک ہی وجہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ کذب کے ساتھ حسد بھی پوری طرح اپنا کام کرتا ہے، ذہن کے اس رجحان کو بدلنے کے لیے پہلے انہیں چھوٹی چھوٹی بیماریوں کا خاتمہ کرنا ہوگا، اور اس کے لیے اجتماعی کوشش سے پہلے انفرادی کوشش کی ضرورت ہے، اس کے بغیر ساری کوششیں بے سود اور تمام تگ ودو بے کار ہے۔

☆☆☆☆☆

راہِ عمل

کامیابی کا سب سے بڑا نسخہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

مشکل حالات میں مسلمانوں کو کیا راستہ اختیار کرنا چاہیے؟ قرآن مجید نے بہت ہی مختصر الفاظ میں اس کی رہنمائی فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اسْتَعِیْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاۃِ، اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ" [بقرہ: ۱۵۳] (اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ سے مدد چاہو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

دنیا میں انسان کو جو مصائب پیش آتے ہیں، ان کو حل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ظاہری اسباب ووسائل کا استعمال کیا جائے، اس میں کوئی برائی نہیں ہے، اسلام کا تصور یہ ہے کہ حالات بھی اللہ کی طرف سے پیش آتے ہیں، اور ان کے تدارک کے لیے وسائل بھی اللہ ہی نے پیدا کیے ہیں؛ اس لیے ان وسائل کو استعمال کرنا چاہیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ ہی نے بیماریاں بھی پیدا کی ہیں اور دوائیں بھی؛ اس لیے دوائیاں لیا کرو [سنن ابی داؤد عن ابی الدرداء، حدیث نمبر: ۳۸۷۴] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے باوجود ظاہری وسائل کا استعمال فرمایا ہے، منزل تک جلد اور آسانی کے ساتھ پہنچنے کے لیے سواریاں استعمال کی ہیں، دشمن سے دفاع کے لیے ہتھیار استعمال کیا ہے، اور اس کی ترغیب دی ہے، نیز مختلف ضرورتوں کے لیے اس دور کے جدید ترین وسائل کا استعمال کیا ہے، جائز وسائل کو استعمال نہ کرنا اور اپنے آپ کو بے تکلف تکلیف میں ڈالنا رہبانیت ہے، جو ایک من گھڑت عمل ہے، اور قرآن مجید نے اس کی مذمت کی ہے۔ [الحدید: ۲۷]

دنیا میں ہدایت الٰہی سے مختلف قوموں نے اس راستہ کو اختیار کیا ہے، آج بھی خود ہمارے ملک میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو تارک الدنیا ہو جاتے ہیں، یوروپ پر تو ایک زمانہ میں اس کا ایسا غلبہ تھا کہ علاج کرانے کو بھی خدا کی مرضی میں خلل ڈالنے کا عمل سمجھا جاتا تھا، اسلام نے اس غیر فطری تصور کو رد کر دیا اور اسلامی تاریخ میں کبھی بھی معتبر علماء اور مشائخ نے اس سوچ کو قبول نہیں کیا۔

مشکلات کو حل کرنے کا دوسرا طریقہ روحانی ہے، جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام سے ہے، قرآن مجید کی اس آیت میں اس کی واضح رہنمائی فرمائی گئی ہے، اور وہ ہے: صبر اور صلاۃ، صبر کے معنیٰ ناگوار خاطر باتوں کو برداشت کرنا ہے، اور جو مومن اللہ کے لیے ایسی باتوں کو برداشت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا دروازہ کھلتا ہے اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری زندگی خاص کر مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں اسی ہتھیار کا استعمال کیا، معاندین جوش وخروش کے ساتھ حق وراستگی کے چراغ کو بجھانے کے لیے حملہ آور ہوتے تھے؛ لیکن صبر کی طاقت ان تمام سازشوں کو ناکام ونامراد کر دیتی تھی، صبر کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص آپ کو نشانہ بنا کر پتھر مارے اور آپ اپنی جگہ سے دائیں یا بائیں ہٹ جائیں اور پتھر آگے جا کر گر جائے، تو آپ محفوظ رہیں گے اور پھینکنے والے کی محنت ضائع ہو جائے گی۔

صبر مسائل کو حل کرنے کا انفرادی طریقہ بھی ہے اور قومی طریقہ بھی، مثلاً اس وقت ملک دشمن اور مسلمان دشمن طاقتیں نفرت انگیز باتیں کہنے میں اپنی حدود سے تجاوز کر رہی ہیں، سیاست کے بازی گر چاہتے ہیں کہ وہ ایسی باتیں کہہ کر مسلمانوں کو مشتعل کریں، جب مسلمان مشتعل ہو جائیں گے تو مسئلہ کو اور گرمانے کا موقع فراہم ہوگا، اسی سے فائدہ اٹھا کر دو چار فسادات کروا دیے جائیں گے، اور جب اقلیت کے خلاف اکثریت کا غصہ اپنے شباب پر پہنچ جائے گا، تو اکثریت کو ووٹ بینک کی طرح استعمال کیا جائے گا، گزشتہ دنوں جس انداز پر مسلمانوں کے خلاف بیان دیے گئے، اگر مسلمان اسی لب ولہجہ میں اس کا جواب دیتے تو ملک کے حالات بہت زیادہ خراب ہو جانے اور نفرت پھیلانے والی طاقتوں کو اس کا پورا پورا فائدہ پہنچتا؛ لیکن مسلمانوں کی خاموشی نے ان کے فرقہ وارانہ وار کو خالی کر دیا ہے اور اکثریت کے سمجھدار لوگ بھی محسوس کر رہے ہیں کہ یہ حقیقی مسائل کی طرف سے توجہ ہٹانے کا ایک طریقہ ہے، اسی بات نے شر پسندوں کو پریشانی اور تشویش میں مبتلا کر دیا ہے، ان کو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ وہ اپنے جھوٹ اور مکاری پر کس طرح پردہ ڈالیں؛ اس لیے ملک کے موجودہ حالات میں ضروری ہے کہ مسلمان موقع ومحل دیکھ کر ضرورت کے بقدر سنجیدہ

لب ولہجہ میں سوالات کا جواب دیں، ردعمل کا شکار نہ ہوں، تیز وتند بیانیہ جاری نہ کریں؛ ورنہ اس کا نقصان خود ہم ہی کو ہوگا۔

صبر کا ایک اور معنیٰ روزہ کا ہے، مشہور مفسر امام مجاہدؒ نے اس آیت میں صبر سے روزہ ہی مراد لیا ہے، یہ بعض اور مفسرین کا قول بھی ہے: المراد ھھنا الصوم وھو الصواب [تفسیر قرطبی، آیت مذکورہ]؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ کی نسبت سے رمضان کو صبر کا مہینہ قرار دیا ہے: وھو شھر الصبر [صحیح ابن خزیمہ عن سلمان الفارسی، حدیث نمبر: ۱۸۸۷] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ روزہ رکھا جائے، انسان اپنے جائز مقصد کے لیے نفل روزہ رکھے اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرے۔

دوسرا طریقہ نماز کا ہے، نماز عبادت بھی ہے اور دعا بھی؛ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کم وبیش ہر ضرورت کے لیے نمازیں رکھی ہیں، اگر کوئی شخص دنیا سے گزر جائے تو گزرنے والے کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مالک کائنات اس کو معاف کردے، اس کے لیے نماز جنازہ رکھی گئی ہے، پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے، اگر بارش رک جائے تو کھیتیاں بھی متاثر ہوں گی اور پینے کا پانی بھی ختم ہو جائے گا، اس کے لیے نماز استسقاء رکھی گئی ہے، سفر میں جانے سے پہلے نماز سفر، اگر کسی مسئلہ میں طبیعت غیر مطمئن ہو اور ذہن کسی ایک جہت کو متعین کرنے سے قاصر ہو تو نماز استخارہ، بہ تقاضائے بشریت کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے لیے نماز توبہ، اور اگر ضرورت درپیش ہو اور اپنے خالق ومالک سے اس کے لیے التجا کرنا چاہتا ہو تو نماز حاجت، یہ اللہ تعالیٰ سے نصرت ومدد کی ایسی کلید ہے، جو ہر موقع پر بندہ کے لیے میسر ہے۔

نماز حاجت ہر ضرورت کے لیے ہے، چاہے کوئی شخصی ضرورت ہو یا قومی اور اجتماعی، غزوۂ بدر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفیں آراستہ کیں اور خود خدا کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے، اِس وقت ملک میں جو حالات ہیں، اسلام کے خلاف جو غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں، اور مسلمانوں کے خلاف جو جھوٹے پروپیگنڈے کیے جا رہے ہیں، اس کا حل یہی ہے کہ ایک طرف ظاہری تدابیر اختیار کی جائیں، دوسری طرف نماز حاجت پڑھ کر اور نفل روزہ رکھ کر آہ وزاری کے ساتھ اللہ سے مانگا جائے، حالیہ الیکشن جس کی حیثیت ایک فیصلہ کن موڑ کی ہے، کے نتائج آنے سے پہلے تک ہمیں خاص طور پر ان ظاہری اور باطنی تدابیر کا پورا لحاظ رکھنا چاہیے، ایک طرف اپنے آپ کو اشتعال اور جذباتی بیان سے بچائے رکھنا، اپنے حق رائے دہی کا لازمی طور پر استعمال کرنا، زیادہ سے زیادہ متعلقین کو رائے دہی کے مراکز تک پہنچانا، اور ان کو سمجھانا کہ وہ اپنا ووٹ امن پسند اور انصاف پسند جماعت کے حق میں استعمال کریں، اور نفرت کے سوداگروں کو اقتدار حاصل کرنے سے دور رکھیں، دوسری طرف نماز حاجت اور نفل روزہ کا اہتمام کریں؛ کیوں ایک صاحبِ ایمان کے لیے یہی کامیابی کا سب سے بڑا نسخہ ہے۔

☆☆☆☆☆

دعوت وتبلیغ اور اسلامی تجدید کا کام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

’’دینی دعوت وتبلیغ اور اسلامی تجدید کا کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ سمجھ لیا گیا ہے، اس کا کام اور پیغام صرف اتنا نہیں ہے کہ ایک نظام کی جگہ دوسرا نظام، اور ایک سیاسی واقتصادی نظام کی جگہ دوسرا سیاسی واقتصادی نظام لایا جائے، نہ علم وثقافت کو عام کرنا، جہالت کو مٹانا، بے کاری وبے روزگاری کے خلاف جنگ چھیڑنا ہے اور نہ ہی معاشرتی و اخلاقی خرابیوں کا علاج اس ڈھنگ سے کرنا ہے جس طرح یورپ کے مصلحین اور مغرب کے رفارمر کیا کرتے ہیں، اس دعوت کا کام تو اس ’’اسلام‘‘ کی طرف بلانا ہے جو عقیدہ، عمل، اخلاق وکردار، عبادت وسیاست، انفرادی واجتماعی سلوک سب پر حاوی ہے، اس میں قلب، ذہن ودماغ اور جسم وروح شامل ہیں، کوئی چیز اس کے دائرۂ بحث سے خارج نہیں، اس دعوت میں دل، دماغ، اندازِ فکر، انسانی نفسیات، عقائد، ذہنیت سب کے اندر گہری تبدیلی لائی جاتی ہے، اس دعوت کا سرچشمہ قلب ہے، نہ کہ قرطاس و قلم اور تقریر کا اسٹیج، یہ وہ دعوت ہے جو امت پر نافذ ہونے سے پہلے داعی کے جسم پر نافذ اور اس کی پوری زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے‘‘۔

☆☆☆

تعلیم وتربیت

مثالی طالب علم کے اوصاف

ڈاکٹر سراج الدین ندوی (بجنور)

علم حاصل کرنے والے کو طالب علم کہتے ہیں۔ یوں تو ہر وہ شخص جو علم حاصل کرے طالب علم ہے۔ البتہ یہ لفظ عام طور پر ان بچوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو کسی اسکول، مدرسہ یا کالج و یونیورسٹی میں باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ایک عام طالب علم اور مثالی طالب علم میں فرق ہوتا ہے۔ زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ طالب علم کے اندر کچھ خاص خوبیاں ہوں یعنی وہ مثالی طالب علم ہو۔ ذیل میں ہم مثالی طالب علم کے چند اوصاف وخصوصیات کا اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے۔ اساتذہ اور سرپرستوں سے گزارش ہے کہ وہ ان خصوصیات کا بغور مطالعہ فرمائیں اور ان کو بچوں کے اندر پیدا کرنے کی جانب توجہ فرمائیں۔ اس لیے کہ طالب علم کی کامیابی ہی استاذ اور والدین کا منتہائے نظر ہونا چاہیے۔

زندگی کا نصب العین واضح ہو

ایک مثالی طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ اس پر زندگی کا نصب العین واضح ہو، زندگی کا نصب العین متعین کیے بغیر حصول تعلیم کا مقصد متعین نہیں کیا جاسکتا۔ طالب علم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسے کس نے پیدا کیا ہے؟ کیوں پیدا کیا ہے؟ کائنات کے ساتھ اس کا رشتہ کیا ہے؟ سماج کے اس پر کیا حقوق عائد ہوتے ہیں؟ والدین اور دوسرے اعزہ سے اس کا تعلق کس نوعیت کا ہے؟ وغیرہ۔ ان سوالوں کے جوابات ہی دراصل اس کو مقصد تعلیم متعین کرنے میں معاون ہوں گے۔ جس بچے کو یہی نہیں معلوم کہ وہ دنیا میں کیوں آیا ہے؟ اور اسے مرنے کے بعد کہاں جانا ہے؟ یا اپنے اعمال کا کس کو جواب دینا ہے تو اس میں اور دیگر حیوانات میں کیا فرق ہے؟ وہ کس طرح سماج کے لیے مفید مقصد متعین کرسکتا ہے؟

تعلیم کا مقصد متعین ہو

ایک مثالی طالب علم کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے سامنے منزل اور نشانات منزل واضح ہوں۔ اسے کہاں پہنچنا ہے؟ کیا بننا ہے؟ اس کو طے کرنا دراصل اساتذہ اور سرپرستوں کی ذمہ داری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بچے کے مستقبل کی منصوبہ بندی اسی وقت کرلینی چاہیے جب کہ وہ حمل میں ہو۔ بچہ جب دنیا میں آتا ہے تو کورے کاغذ کی مانند ہوتا ہے۔ حدیث کے مطابق ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔'' [ترمذی] بچہ سن شعور کو پہنچنے تک خود اپنا مستقبل طے نہیں کرسکتا۔ دیہات میں مثل مشہور ہے کہ: ''پوت کے پاؤں پالنے میں ہی نظر آجاتے ہیں''۔ یعنی نومولود کی صلاحیتوں کا اندازہ پیدا ہوتے ہی ہوجاتا ہے۔ اس لیے سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کی پیدائش کے بعد ابتدائی درجات میں رہتے ہوئے اس کی صلاحیتوں کا اندازہ کرلیں۔ ملک اور قوم کی ضروریات کا ادراک کریں اور پھر ایک منزل متعین کریں۔ فرض کیجیے کہ آپ کو ایک اچھے وکیل کی ضرورت ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر آپ بچے کا تعلیمی منصوبہ بنائیں گے۔ وہی مضامین پڑھوائیں گے جو اس کے وکیل بننے میں معاون ہوں گے۔ اگر آپ اسے ڈاکٹر بنانا چاہتے ہیں تو پھر ان مضامین کی تعلیم دیں گے جو اس کے ڈاکٹر بننے کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

مقصد متعین کرتے وقت اپنے حالات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیجیے۔ بہت چھوٹا مقصد مت منتخب کیجیے۔ مثال کے طور پر آپ اپنا مقصد صرف پرائمری کلاسیز کا استاذ بننا بنالیں۔ اگر ٹیچر بننا ہی ہے تو کم سے کم انٹر کالج اور ڈگری کالج کا ٹیچر بنئے یا پھر کسی یونیورسٹی میں پروفیسر بننے کا خواب دیکھئے۔ جب آپ بڑا مقصد متعین کریں گے تو اپنی تیاری اسی حساب سے کریں گے۔ یہ مت سوچیے کہ: ''میں پروفیسر نہیں بن سکتا۔'' آخر جو لوگ پروفیسر بنتے ہیں وہ بھی انسان ہی ہوتے ہیں، بڑا مقصد ہی کسی کو بڑا آدمی بناتا ہے۔ آپ جس راہ کو منتخب کریں گے اللہ تعالیٰ اسی راہ کی دشواریوں کو دور کرتا جائے گا۔ تکالیف تو آئیں گی؛ لیکن وہ آپ کو منزل پر پہنچنے سے نہ روک سکیں گی۔

صلاحیتوں کا ادراک

ایک مثالی طالب علم کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کا ادراک کرنے والا ہوتا ہے۔ اللہ نے انسان کو بے پناہ صلاحیتیں دے کر پیدا کیا ہے۔ وہ بیک وقت درجنوں زبانیں بول سکتا ہے۔ وہ کئی فنون کا ماہر ہوسکتا ہے۔ وہ ایک ہی وقت میں مقرر، مدرس، مصنف، مؤلف، شاعر اور ایڈیٹر ہوسکتا ہے۔ اللہ نے انسان کو مختلف الجہات اوصاف کا حامل بنایا ہے۔ میرے کئی دوست ایسے ہیں جو ایم بی بی ایس بھی ہیں اور عربی اور اردو زبان کے ادیب و انشاء پرداز بھی اور اچھے شاعر و مصنف بھی، جب کہ یہ دونوں پروفیشن الگ الگ ہیں۔ ایک مثالی طالب علم کو چاہیے کہ اپنی صلاحیتوں کو پہچانے اور ان کو ڈیولپ کرنے کے لیے کوششیں کرے۔

وقت کی تنظیم

کامیابی میں ایک اہم رول وقت کا ہے۔ کہتے ہیں کہ جس نے وقت کی قدر کی وقت نے اس کی قدر کی، جس نے وقت کو ضائع کیا اس کو وقت نے برباد کردیا۔ بقول شاعر:

وقت برباد کرنے والوں کو
وقت برباد کرکے چھوڑے گا

ایک مثالی طالب علم کو چاہیے کہ وقت کی تنظیم کرے۔ ہر کسی کے پاس چوبیس گھنٹے ہی ہوتے ہیں۔ کتنے ہی لوگ ان گھنٹوں کو یوں ہی کھیل کود اور خوش گپیوں میں ضائع کردیتے ہیں، جب کہ کچھ لوگ وقت کی تنظیم کرکے محیر العقل کارنامے انجام دیتے ہیں۔ اس لیے وقت کی منصوبہ بندی کیجیے۔ صبح بیدار ہونے سے لے کر رات کو سونے تک تمام کاموں کے لیے وقت متعین کیجیے۔ ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق ایک صحت مند انسان کو چھ سے سات گھنٹے سونا چاہیے۔ سونے اور آرام کے سات گھنٹے نکالنے کے بعد بھی ہمارے پاس سترہ گھنٹے باقی رہتے ہیں۔ تین وقت کھانے اور پانچ وقت کی نماز کے لیے دو گھنٹے درکار ہیں۔ باقی پندرہ گھنٹے ایک طالب علم کو روزانہ حصول علم کے لیے میسر رہتے ہیں۔ اس میں پانچ سے چھ گھنٹے کلاس ہوتی ہے اور باقی نو گھنٹے انفرادی اور ذاتی مطالعہ کے لیے بچتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسکول میں آئے دن چھٹیاں ہوتی رہتی ہیں جن کا استعمال ایک مثالی طالب علم اپنے علم میں اضافے کے لیے کرتا ہے۔

مثبت سوچ رکھیے

انسان کی کامیابی میں اس کی سوچ کا بہت اہم رول ہے۔ سوچ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک منفی اور دوسری مثبت۔ منفی سوچ انسان کو پستی کی طرف لے جاتی ہے اور مثبت سوچ کا سفر ترقی اور بلندی کی طرف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک سوچ یہ ہے کہ: ''یار آج کل سرکاری نوکری نہیں ملتی، اس لیے پڑھ کر کیا کروں گا۔'' یہ منفی سوچ ہے، اس سوچ کے ساتھ آپ کوئی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔ منفی سوچ، بزدلی، کم ہمتی اور یاس وقنوطیت پیدا کرتی ہے۔ ایسے انسان کو ہر وقت دوسروں سے شکایات رہتی ہیں۔ وہ دوسروں کی کامیابیوں سے حسد کرنے لگتا ہے۔ اس لیے اپنے سوچ کی سمت درست رکھئے اسے منفی ہونے سے بچایئے۔ آپ سوچیے کہ اگر سرکاری نوکری نہیں بھی ملے گی تو تعلیم کے ذریعہ میں اپنا ذاتی کام اچھے طریقے سے کروں گا۔ اس لیے کہ آپ تعلیم یافتہ ہوں گے تو اپنی کمپنی بناسکتے ہیں، اپنا اسکول کھول سکتے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی دیگر بہت سے کام ہیں جو کیے جاسکتے ہیں۔ مثبت سوچ صرف اپنے تک ہی محدود نہ رکھیے بلکہ دوسروں کے تعلق سے بھی مثبت ہی رہیے۔ ہر شخص کو اپنی نظروں میں مشکوک نہ بنایئے۔ اگر کسی شخص نے کسی وقت آپ کی حمایت نہیں کی ہے یا ساتھ نہیں دیا ہے تو اس کی مجبوریوں کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ یہ سوچیے:

کچھ تو مجبوریاں رہیں ہوں گی
یوں کوئی بے وفا نہیں ہوتا

عمل کیجیے، جو کچھ پڑھیے اس کو عملی جامہ پہنایئے۔ وہ سبق ہمیشہ یاد رہتا ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ لوگ علم سے نہیں عمل سے متاثر ہوتے ہیں۔ کوئی انقلاب صرف باتوں سے نہیں لایا جاسکتا بلکہ میدان عمل میں سرگرم رہ کر لایا جاسکتا ہے۔ ایک مثالی طالب علم وہ ہوتا ہے جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے یا عملی مشق کے ذریعہ اس کو زندہ رکھتا ہے۔ آپ کمپیوٹر کی کتاب پڑھ کر کمپیوٹر چلانا نہیں سیکھ سکتے۔ کمپیوٹر چلانے کے لیے آپ کو اس کی مشق کرنا ہوگی۔ اس لیے جو کچھ کتابوں میں آپ پڑھیں اس کو عملی زندگی میں اتارنے کی کوشش کیجیے۔

حوصلہ نہ ہاریے

زندگی میں خوشی اور غم، آسانیاں اور مشکلات آنا فطری امر ہے۔ دنیا میں ایسا کوئی انسان نہیں ہے جسے کبھی کوئی غم یا تکلیف پیش نہ آئی ہو۔ جس طرح موسم کبھی ایک جیسا نہیں رہتا، اسی طرح انسان کے حالات بھی یکساں نہیں رہتے۔ اکثر ہمارے حالات اپنے اعمال کی وجہ سے خراب ہوتے ہیں، لیکن کبھی کبھی اس میں دوسروں کا بھی دخل ہوتا ہے۔ کبھی ملک کے حالات خراب ہوجاتے ہیں، کبھی کورونا جیسی بیماریاں آجاتی ہیں۔ ایک مثالی طالب علم کو خراب حالات سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ ان کو درست کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ خراب حالات کو اپنے حق میں بہتر بنانے کا فن آپ کی کامیابی کا ضامن ہے جو لوگ مخالف ہواؤں میں بھی چراغ روشن رکھتے ہیں وہی دنیا میں اجالا کرسکتے ہیں۔ آپ نے اپنا جو ہدف متعین کیا ہے اور جو خواب دیکھا ہے اسے پورا کرنے کے لیے حتی المقدور کوشش کیجیے۔ سب سے بڑی ناکامی ہمت ہار جانا ہے۔ ایک چیونٹی دیوار پر چڑھتے ہوئے درجنوں بار زمین پر گرتی ہے، لیکن ہمت نہیں ہارتی، آخر ایک وقت وہ آتا ہے جب وہ دیوار پر چڑھ کر اپنی منزل پر پہنچ جاتی ہے۔ کیا ہم چیونٹی سے بھی گئے گذرے ہیں جو ایک دو بار کی ناکامی میں ہی ہمت اور حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں۔

غلطیوں سے سیکھئے

غلطی سرزد ہونا انسانی فطرت ہے۔ انسان کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ کبھی غلطی نہ کرے۔ لیکن غلطیوں سے نصیحت حاصل نہ کرنا بے وقوفی اور حماقت ہے۔ کسی غلطی کو بار بار کرنا ادنیٰ درجہ کی جہالت ہے۔ ایک ہاتھ آگ میں جل جائے تو دوسرا ہاتھ آگ میں ڈال کر تجربہ کرنے والا پاگل ہی

کہلائے گا۔ نہ صرف اپنی غلطیوں سے سبق سیکھیے، بلکہ دوسروں کی غلطیوں سے بھی عبرت حاصل کیجیے، کوئی شخص زہر کھا کر مر جائے تو آپ زہر نہ کھائیں، اگر آپ یہ فرمائیں گے کہ یہ شخص زہر کھا کر مر گیا تو کیا ہوا، میں خود بھی زہر کھا کر دیکھوں گا تو ہوسکتا ہے آپ نتیجہ بتانے کی پوزیشن میں بھی نہ رہیں۔ ہماری درسیات میں تاریخ کا مضمون اسی لیے پڑھایا جاتا ہے کہ ہم ماضی میں اسلاف کے ذریعہ کے گئے تجربات سے سبق حاصل کریں۔ اگر ہر شخص تجربہ کر کے ہی یقین کرے گا تو تاریخ نویسی کی ضرورت کیا ہے۔ ایک مثالی طالب علم غلطیاں کم کرتا ہے اور ایک غلطی کو دوبارہ نہیں کرتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔'' [متفق علیہ]

اساتذہ اور کتابوں کا احترام کیجیے

اگر میں یہ عرض کروں کہ طالب علم کو نصف علم اساتذہ کے احترام سے حاصل ہوتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ باادب بانصیب اور بے ادب بے نصیب کی کہاوت ہم زمانے سے سنتے آرہے ہیں؛ لیکن میرا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اساتذہ اور کتابوں کی عزت کرنے سے بعض طلبہ نے آسمان کی بلندیاں حاصل کرلیں۔ ہم جانتے ہیں کہ احترام نتیجہ ہے محبت کا۔ اس لیے کہ آپ جس سے محبت کرتے ہیں اس کی عزت کرتے ہیں اور محبت میں انسان اپنا دل نکال کر دے دیتا ہے۔ آج کل کالجوں اور اسکولوں میں ادب نام کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ بڑے طلبہ اپنے اساتذہ کے سامنے سگریٹ کے مرغولے اڑاتے ہیں۔ کلاس میں استاذ کے ڈانٹنے پر اسے کالج کے باہر گھیر لیتے ہیں اور بعض اوقات قتل تک کر ڈالتے ہیں۔ یہی حال ہماری کتابوں کا ہے۔ کتابوں پر لکھنا، ان کو پٹخ کر پھینکنا، ان کے پھٹ جانے پر کیئر نہ کرنا وغیرہ کتابوں کی توہین ہے۔ ہم اپنی مذہبی کتابوں کا احترام کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے ہی نا کہ وہ ہمیں سیدھا راستہ دکھاتی ہیں، تو ہماری درسی اور نصابی کتب بھی ہمیں وہ راستہ بتاتی ہیں جس پر چل کر ہم اپنی معاشی، سماجی اور سیاسی زندگی میں کامیابی حاصل کرتے ہیں، جس طرح استاذ ہمیں پڑھاتا ہے اسی طرح کتاب بھی ہمیں پڑھاتی ہے۔ ایک مثالی اور اچھا طالب اپنی کتابوں کو سلیقہ سے رکھتا ہے، وہ انھیں سینے سے لگاتا ہے، وہ اپنے اساتذہ سے محبت کرتا ہے اور ان کے ادب واحترام میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتا۔

ایک مثالی طالب علم اپنی منزل پر نظر رکھتا ہے، اس کے سامنے مقصد زندگی اور مقصد تعلیم واضح رہتا ہے، وہ وقت کی قدر کرتا ہے، اسے اپنی صلاحیتوں کا شعور ہوتا ہے، وہ غلطیوں سے اجتناب کرتا ہے، اس کے اندر سستی اور کاہلی نہیں ہوتی، وہ سب کے کام آتا ہے اس لیے وہ ہر دل عزیز ہوتا ہے، ہر شخص کی زبان پر اس کے لیے تعریفی کلمات ہوتے ہیں۔ سب اس کو دعائیں دیتے ہیں۔ اس کی یہی صفات اس کو اپنے مقصد میں کامیاب کرنے میں معاون ہوتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

طبعی محبت کی زندہ مثال

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

محبت کی بھی دو قسمیں ہیں ایک طبعی محبت ہے اور ایک عقلی محبت ہے، طبعی محبت کی مثال: جیسے ماں کو بیٹے سے ہوتی ہے، باپ کو بیٹے سے ہوتی ہے؛ لیکن چونکہ بیٹے میں ماں کا جز بڑا ہوتا ہے اور یہ طبعی بات ہے کہ ہر چیز اپنے جزء سے ضرور محبت کرتی ہے، یوں تو باپ سے بھی اس کا تعلق ہے؛ لیکن ماں کا تعلق زیادہ ہے، لہٰذا ماں باپ کی محبت طبعی محبت کہلائے گی، اسی طرح سے بیٹے کو بھی ماں باپ سے محبت ہوتی ہے تو وہ محبت بھی طبعی محبت کہلائے گی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ پیدا کیا ہے اس لیے اللہ کو بھی اپنے بندوں سے طبعی محبت ہے، کیونکہ اسی نے ماں باپ کو اور تم کو، غرض کہ ساری دنیا کو بنایا ہے، تو ظاہر ہے اللہ کو طبعی محبت ہوگی، اور جب اللہ کو محبت ہے تو جس طرح سے بیٹے کو ماں باپ سے طبعی محبت ہوتی ہے، اسی طرح سے بندہ کو بھی اللہ سے محبت ہونا چاہیے، یہ الگ بات ہے کہ ماں کو جو اپنے بیٹے سے محبت ہوتی ہے، وہ بیٹے کو ماں سے نہیں ہوتی، جس کی مثال ایک صاحب نے یوں دی ہے کہ ماں کو بیٹے سے زیادہ محبت کیوں ہوتی ہے؟ اور بیٹے کو اس قدر کیوں نہیں ہوتی؟ تو ان صاحب نے کہا کہ اگر آپ کسی جانور کے گوشت کا ٹکڑا نکال لیں، تو بدن بہت دنوں تک زخمی رہے گا اور پھر وہ نشان ہمیشہ باقی رہے گا؛ لیکن جب گوشت کا ٹکڑا باہر نکل آئے گا تو تھوڑی دیر تڑپے گا بس ٹھنڈا ہو کر رہ جائے گا، اس لیے جو باہر آگیا ہے اس کا تعلق ویسا نہیں رہتا؛ لیکن جہاں سے وہ آیا ہے اور وہاں زخم چھوڑ کر آیا ہے تو اس کا تعلق ہمیشہ رہتا ہے، اسی لیے ماں کا تعلق بیٹے سے زیادہ ہوتا ہے؛ کیونکہ اس نے نو ماہ تک بچہ کو اپنے پیٹ میں رکھا ہوتا ہے۔

☆☆☆

احکام ومسائل

حج بدل کب اور کیسے کریں؟

مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی

حج کے لغوی معنی قصد کرنے کے ہیں، اصطلاح شریعت میں ''حج'' اشہر حج، حج کے مہینوں (شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ کے دس دن) میں مخصوص ارکان کی ادائیگی کی نیت سے مخصوص طریقہ پر کعبۃ اللہ کے قصد کرنے کو کہتے ہیں۔ حج اسلام کا چوتھا رکن ہے۔ ۹ھ میں مدینہ منورہ میں حج کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد چار دفعہ عمرہ فرمایا اور حج ۱۰ھ میں لاکھوں صحابہ کرام کی معیت میں ادا فرمایا۔ زمانہ اسلام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا اور آخری حج تھا۔ اسی مناسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کو حجۃ الوداع یعنی آخری حج کہا جاتا ہے۔ اسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منی میں وہ تاریخی خطبہ دیا تھا جسے خطبۃ الوداع کہا جاتا ہے جو اسلامی شریعت کا اہم منشور ہے۔ حج کی ادائیگی کعبۃ اللہ شریف میں حاضری کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی وجہ سے عالم اسلام کے ہر خطہ سے مسلمان جوق در جوق سوئے حرم روانہ ہوتے ہیں۔ اس حاضری کے شوق میں کلفتیں برداشت کرتے ہیں۔ زندگی کا اہم اندوختہ اس سفر میں صرف کر کے ایک روحانی مسرت محسوس کرتے ہیں۔ دنیا کے ہر گوشہ سے سوئے حرم کشاں کشاں بڑھتے ہوئے قافلے اس آیت کی عملی تصویر نظر آتے ہیں:

''وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالحَجِ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ'' (اور لوگوں میں حج کے لیے ندا کردو کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر جو دور (دراز) رستوں سے چلے آتے ہیں (سوار ہوکر) چلے آئیں گے)۔

ایک پہاڑی پر چڑھ کر حضرات ابراہیم علیہ السلام نے یہ آواز لگائی تھی۔ وہ آواز کیسی طاقتور تھی، کس بلا کی تاثیر رکھتی تھی۔ اس آواز پر لبیک کہنے والوں میں ماں کے پیٹ میں پرورش پانے والے بچے بھی تھے اور وہ روحیں بھی جو تخلیق کے عمل سے نہیں گذری تھیں اور آج لاکھوں کا مجمع اس موقع پر امڈا ہوا چلا آتا ہے۔ اگر حکومت انتظامی دشواریوں کی وجہ سے روک نہ لگائے تو یہ لاکھوں کا مجمع کروڑوں تک پہونچ جائے۔ یہ آواز اخلاص کی تھی۔ امر الٰہی کی اتباع میں تھی۔ لہٰذا وہ تاثیر میں لافانی اثرات کی حامل تھی۔

آج ہر مسلمان کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ کاش اس پاک سرزمین ''حرمین شریفین'' کی حاضری کا اسے کسی طرح شرف حاصل ہوجائے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ جو اپنی زندگی میں اس شرف سے مشرف ہوئے اور کتنے باچشم نم محرومی کا احساس لیے استطاعت کے باوجود رخصت ہوگئے۔

لیکن اس مالک رحیم وکریم کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ایسے لوگوں کی طرف سے اس فریضہ کی ادائیگی کی سبیل پیدا فرمادی ہے جو خود تو حاضر نہ ہوسکے؛ لیکن ان کی طرف سے کوئی اور مناسک حج ادا کرلے تو اس شرف کو حاصل کرنے والے ہوجائیں گے۔ عام اصطلاح میں اسی عمل کو حج بدل کہا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن عبداللّٰه بن بريدة عن أبيه قال بينا أناجالس عند رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اذ أتته امرأة فقالت انّى تصدقت على أمى بجارية وانها ماتت قال فقال وجب أجرك قالت انها لم تحج قط أنَا أحج عنها قال حجى عنها [مسلم، ص۳۶۴] (حضرت عبداللہ اپنے والد حضرت بریدہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک ایک خاتون خدمت عالیہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: حضور! میری والدہ کا انتقال ہوگیا۔ میں نے ان کی طرف سے ایک باندی آزاد کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا اجر وثواب (ان کے لیے) لازم ہوگیا۔ پھر انھوں نے سوال کیا: حضور! انھوں نے حج نہیں کیا تھا تو کیا میں ان کی طرف سے حج کروں۔ فرمایا: ہاں! ان کی طرف سے تم حج کرو)۔

حج کب فرض ہوتا ہے

زندگی میں ایک بار ہر عاقل، بالغ، صاحب استطاعت مسلمان پر حج فرض ہوتا ہے۔ صاحب استطاعت سے مراد وہ مالی گنجائش ہے جو اپنے حوائج اصلیہ (ضروریات زندگی) اور اپنے متعلقین کے مصارف کے لیے (جو سفر حج کے زمانہ میں ہوں گے) اس کے پاس موجود ہو، اس کے علاوہ اس کے پاس اتنی رقم باقی رہ جاتی ہے کہ سفر حج کے مصارف وہ برداشت کرسکے، ایسی صورت میں اس شخص پر حج فرض ہوگا۔

اسی طرح راستہ کا مامون ہونا اور خواتین کے

لیے محرم کا پایا جانا بھی حج کی فرضیت کے لیے ضروری ہے۔ مذکورہ بالا شرطیں اگر کسی شخص میں پائی جائیں تو اس پر اسی سال حج فرض ہو جائے گا، جس سال اسے یہ استطاعت حاصل ہوئی ہے۔ لہٰذا اب اسے تاخیر نہیں کرنی چاہیے، ٹال مٹول سے کام نہیں لینا چاہیے۔ ایسا کرنے والے کے حق میں بڑی سخت وعید آئی ہے اور اگر اسی حال میں موت واقع ہوگئی اور اس نے حج ادا نہیں کیا تو اس کے لیے بڑی محرومی کی بات ہوگی:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من ملك زادًا و راحلةً تبلغه إلى بيت الله ولم يحج فلا عليه أن يموت يهودياً أو نصرانياً (جس کے پاس زادِ راحلہ (خوراکی اور سواری کا خرچ) مہیا ہوگیا (جو اس کو بیت اللہ تک پہونچا سکے) پھر بھی اس نے حج نہ کیا تو عجب نہیں کہ وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرے)۔ [ترمذی]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے شخص کے متعلق فرماتے تھے: ماهم مسلمين ماهم مسلمين (ایسے لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے، ایسے لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے)۔

اور فرماتے ہیں: لاتجوز الصلوٰة على الميت المستطيع الذى لم يحج (ایسی میت کی جس نے باوجود استطاعت کے حج نہ ادا کیا ہو نماز جنازہ نہ پڑھی جائے)۔

حضرت سعید بن زبیرؒ، ابراہیم نخعیؒ، حضرت مجاہدؒ اور حضرت طاؤس وغیرہ بہت سے محدثین اور بزرگوں کا یہی فتویٰ ہے کہ ایسے شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ لہٰذا جس پر حج فرض ہوگیا ہو وہ ادائیگی میں عجلت کرے کہ مبادا سستی سے موت کا وقت قریب آجائے یا مفلس و قلاش ہو جائے اور فریضہ حج سر پر رہ جائے، اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی ہے:

من أراد الحج فليتعجل [ابوداؤد] (جو حج کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے حج کی ادائیگی میں جلدی کرنی چاہیے)۔

الغرض بلا عذر شرعی حج کے فرض ہوتے ہی حج کے لیے نہیں گیا تو سخت گناہگار ہوگا۔ اس سلسلے میں عام طور پر بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔ متمول حضرات حج کے لیے جانے میں مختلف بہانوں سے کام لیتے ہیں، کبھی اولاد کی شادی (جو ابھی نابالغ ہے) بھی ٹال مٹول کا باعث بن جاتی ہے۔ حالانکہ اس سلسلے میں اصل مسئلہ یہ ہے کہ حج فرض ہوگیا تو حج کے لیے جانا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں کہ اولاد کی شادی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، نہ جانے پر گنہگار رہوگا۔ اولاد کی شادی کرائے بغیر حج فرض نہیں ہوتا اور حج کے لیے نہیں جاسکتا۔ یہ اعتقاد درست نہیں۔

[فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲/ص ۶۲]

البتہ وہ اعذار شرعیہ جن کی وجہ سے حج کو ملتوی کیا جاسکتا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

۱- مفلس ہوجانا، ۲- ظالم حاکم کا خوف، ۳- قیدخانہ میں جانا، ۴- راستہ کا غیر مامون ہونا، ۵- مرض کی وجہ سے سفر نہ کرسکے، ۶- عورت کے ساتھ شوہر یا محرم نہ ہو، ۷- عورت عدت میں ہو۔ ان اعذار کے دور ہوجانے پر خود حج کو جانا ضروری ہے ورنہ حج بدل کی وصیت لازم ہے۔

حج بدل کی فضیلت اور اس کا ثواب

موقع اور محل کی مناسبت سے حج بدل کی فضیلت سے متعلق چند حدیثوں کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:

۱- ایک حج بدل کے عوض تین آدمی جنت میں جائیں گے: ۱- مردہ (جس کی طرف سے حج کیا جائے)، ۲- حج کرنے والا، ۳- حج بدل کرانے والا۔

۲- جو شخص کسی کی طرف سے حج کرے اس کو اور جس کی طرف سے حج کر رہا ہے، دونوں کو برابر ثواب ملتا ہے۔

۳- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی میت کی طرف سے حج (بدل) کیا تو میت کے لیے ایک حج (کا ثواب) لکھا جائے گا اور حج کرنے والے کے لیے سات حج کا۔

۴- جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ جس نے اپنے والدین کے لیے حج کیا تو اس کے دس حج شمار ہوں گے۔

۵- جس شخص نے اپنے والدین کی طرف سے حج کیا یا ان کی طرف سے فرض ادا کیا تو وہ قیامت کے دن نیک لوگوں کے ساتھ اٹھے گا۔

ان بیان کردہ حدیثوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ حج بدل کا بہت زیادہ ثواب ہے اور ثواب کی زیادتی کا دارومدار حج کرانے اور کرنے والوں کی نیت وخلوص پر ہے۔ اس لیے اگر کوئی سعادت مند بیٹا اپنے والدین کی طرف سے کسی کو حج (بدل) کرادے یا ان کی طرف سے خود حج کرے تو بڑا ثواب کا کام ہے اور جب کہ والدین میں سے کسی ایک پر حج بھی فرض ہو چکا ہو اور انھوں نے مرنے سے پہلے وصیت نہ کی ہو تو ایسی صورت میں اولاد پر ان کی طرف سے حج کرادینا مستحب ہے۔

آمر و مامور

یہ بات ملحوظ ذہنی چاہیے کہ حج بدل میں ایک آمر

ہوتا ہے اور دوسرا مامور، یا یوں کہہ لیجیے کہ جو حج کراتا ہے اس کو آمر کہتے ہیں اور جو کسی کی طرف سے حج کرتا ہے، اس کو مامور کہتے ہیں۔ حج جس طرح فرض و نفل دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے، اسی طرح حج بدل فرض بھی ہوتا ہے اور نفل بھی، حج نفل اور اسی طرح عمرہ نفل اس شخص کی طرف سے کرنا جائز ہے جو اس فریضہ کو ادا کر چکا ہو اور دوبارہ مشغولیت کی وجہ سے نہ جا سکتا ہو، نفلی حج میں اس قید کا لحاظ بھی ضروری نہیں ہے۔

حج بدل کب فرض ہوتا ہے

کسی شخص پر حج فرض ہو گیا ہو اور اسے حج کا زمانہ بھی ملا؛ لیکن اس وقت قدرت کے باوجود اس نے حج نہیں کیا، بعد میں یہ قدرت جاتی رہی اور وہ عاجز ہو گیا تو اس پر کسی دوسرے سے حج کرانا فرض ہے خواہ اپنی زندگی میں کرائے یا مرنے کے بعد حج کرانے کی وصیت کر جائے، اس پر وصیت واجب ہے اور اگر شرائط وجوب حج تو پائے گئے؛ لیکن ادا کرنے کا وقت نہیں ملا یا حج کو جاتے ہوئے راستہ میں مر گیا تو اس کے اوپر سے حج ساقط ہو گیا اور اس پر حج کرانے کی وصیت واجب نہیں؛ لیکن جس سال حج واجب ہوا، اس سال نہ جا کر بعد میں گیا ہو اور راستہ میں انتقال ہو گیا ہو تو وصیت واجب ہوگی۔

اسبابِ عجز

موت، قید، ایسا مرض کہ جس کے دور ہونے کی امید نہ ہو، جیسے فالج، اندھا ہونا، لنگڑا ہونا، اتنا بوڑھا ہونا کہ سواری پر بیٹھنے کی قدرت نہ رہے۔ ان تمام اعذار کا موت تک باقی رہنا تحقیق عجز کے لیے شرط ہے۔

حج بدل کے شرائط

۱- حج نفل میں تو حج کرنے والے کے اندر اہلیت یعنی عقل و تمیز اور اسلام کا ہونا کافی ہے البتہ حج فرض ہو تو جو شخص کرائے اس پر حج فرض ہو۔ صحیح و تندرست بھی ہو، اگر کسی نے حج فرض ہونے سے پہلے حج کرا دیا اور بعد میں مالدار ہو گیا تو پھر دوبارہ حج کرانا فرض ہے۔ پہلا حج نفل ہوگا فرض نہ ہوگا۔

۲- موت کے وقت تک عاجز رہنا، اگر مرنے سے پہلے عذر جاتا رہا اور خود قادر ہو گیا تو خود کرنا واجب ہوگا۔

۳- احرام کے وقت آمر کی طرف سے حج کی نیت کرنا۔ اگر افعال حج شروع کرنے سے آمر کی طرف سے نیت نہیں کی تو حج فرض آمر کا ادا نہ ہوگا۔ مصارف واپس کرنا مامور پر لازم ہوگا۔

۴- حج یا عمرہ جس چیز کا حکم آیا ہے اس کے لئے سفر کرنا۔ اگر حج کا حکم کیا لیکن مامور نے اول عمرہ کیا پھر میقات پر لوٹ کر اسی سال یا آئندہ سال حج کا احرام باندھا تو آمر کا حج نہ ہوگا۔

۵- آمر کی میقات سے احرام باندھنا۔ اگر مامور نے میقات سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ معظّمہ جا کر حج کا احرام باندھا اور حج کیا تو آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔

۶- آمر کی مخالفت نہ کرنا یعنی صرف حج کا حکم کیا تھا اور مامور نے تمتع کیا تو مخالف ہوگا اور ضمان دینا واجب ہوگا اور حج مامور کا ہوگا، اسی طرح اگر قران کیا تو بھی مخالف ہوگا اور ضمان دینا ہوگا؛ البتہ قران آمر کی اجازت سے کرنا جائز ہے؛ لیکن دم قران اپنے پاس سے دینا ہوگا، آمر کے روپئے سے دینا جائز نہیں اور تمتع کرنا تو اجازت سے بھی جائز نہیں۔

مفتی سعید احمدؒ نے اپنے ایک فتویٰ میں اس موقع پر لکھا ہے :

''حج بدل کرنے والے کو آمر کی بلا اجازت تو تمتع کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں؛ لیکن اگر آمر تمتع کی اجازت دے دے تو بعض علماء کہتے ہیں، مگر محققین کی رائے یہی ہے کہ حج بدل والے کو آمر کی اجازت سے بھی تمتع کرنا جائز نہیں، اگر تمتع اجازت سے کرے گا تو ضمان نہ ہوگا؛ لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔ ملا علی قاریؒ نے ''شرح لباب'' میں اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے زبدۃ المناسک میں عدم جواز ہی کو اختیار کیا ہے اور حضرت الاستاذ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ مہاجر مدنی شارح سنن ابی داؤد بھی عدم جواز ہی کا فتویٰ دیتے تھے، اس لیے حج بدل والوں کو محض سہولت اور احرام کی طوالت سے بچنے کے لیے تمتع کر کے آمر کے حج کو خراب نہ کرنا چاہیے اور آمر کو چاہیے کہ بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کر دے کہ تمتع نہ کرے۔

جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا، اگر وہ کسی دوسرے کی طرف سے حج کرے تو حج ہو جائے گا؛ لیکن مکروہ ہے، بعض علماء کے نزدیک تو مکہ مکرمہ پہونچتے ہی اس پر اپنا حج فرض ہو جائے گا اور اس کو وہاں ٹھہر کر آئندہ سال اپنا حج کرنا واجب ہوگا اور یہ مشکل ہے، اس لیے احتیاط یہ ہے کہ ایسے شخص سے حج نہ کرایا جائے۔

ایسے شخص سے حج کرانا افضل ہے جو عالم باعمل ہو اور مسائل سے خوب واقف ہو اور اپنا حج فرض پہلے کر چکا ہو، اس لیے کہ جس پر حج فرض ہو چکا ہو، اس کو حج بدل کے لیے بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے اور جانے والے کے لیے مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ وہ اپنے فریضۂ حج کو اپنے ذمہ رکھ کر دوسرے کی طرف سے حج بدل کو جاتا ہے، اولاً اس کو اپنے فریضۂ حج سے سبکدوش ہونا چاہیے تھا۔

☆☆☆☆☆

عشق الٰہی

حج: اسلامی وحدت ومساوات کا مظہر اتم

مولانا ضیاء الدین ندوی خیرآبادی

اسلام کی عظیم الشان عمارت پانچ ستونوں پر قائم ہے، ان پانچوں ارکان یعنی کلمہ توحید، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کو ان کے شرائط وآداب اور احکام وہدایت کے ساتھ قائم کرنا ہی ایک بندہ مومن کے لیے قصر اسلام کی تکمیل کرتا ہے، ان سب کے اپنے اپنے اوقات، اصول، ضابطے، فوائد واثرات اور معانی ومفاہیم ہیں۔

ہم حج کی حکمت ومصلحت اور اہمیت نیز اس کے دوررس اثرات، بین الاقوامی پیغام اور دینی و سماجی اور انسانی اعتبار سے حج کی افادیت پر غور کریں گے تو حج بیت اللہ کی مشروعیت کے اتنے مقاصد ہمارے سامنے آئیں گے کہ پھر اللہ کی عظمت وجلالت اور اپنے بندوں سے اس کی محبت کا یقین ہمارے دلوں کو منور کردے گا۔

پہلے تو ہم اسلام کے اس پہلو کو سامنے رکھیں کہ اسلام کا عظیم ترمشن مختلف فرقوں جماعتوں، عقیدوں، نظریوں، طریقوں میں بنٹے انسانوں کو ایک عقیدہ وطریقہ پر متحد کرنا ہے، اور وہ صراط مستقیم، اللہ رب العزت کی وحدانیت والوہیت کو تسلیم کرنا اور شیطان کے وضع کردہ تمام باطل راستوں سے اپنے آپ کو دور کرلینا، اسی کا نام ہے اسلام کی راہ "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ" (اے ایمان والو! اسلام میں پوری طرح داخل ہوجاؤ اور شیطان کے نقش قدم کا اتباع مت کرو بیشک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے)۔

چنانچہ اسلام کی تمام عبادات وتعلیمات اور ہدایات میں وحدت واجتماعیت کی روح کارفرما ہے، کسی عبادت میں زیادہ نمایاں ہے تو کسی میں قدرے غور کے بعد نظر آتی ہے، مثال کے طور پر نماز ایسی عبادت ہے جس کو جماعت کے ساتھ ایک امام کی اقتدا میں ادا کرنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے اور اس کے لیے نظام بھی بنایا گیا، جماعت میں ایک امام کی حرکات وسکنات کی نقل کرنا ہر مصلی پر لازم کیا گیا، نماز میں انسانی مساوات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ صف بندی میں کسی امیر وغریب، حاکم ومحکوم کا امتیاز نہیں کیا جائے گا، کسی کو اسی کے عہدہ ومنصب اور اس طبقہ وخاندان کی وجہ سے مقدم ومؤخر نہیں کرسکتے، سب ایک صف میں برابر کھڑے ہوں گے، اس ترتیب میں وحدت بھی ہے اور انسانی مساوات بھی نمایاں طور پر پائی جاتی ہے، میں نے نماز کی مثال اس لیے دی ہے کہ یہی وہ مہتم بالشان عبادت ہے جو بلاتفریق ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے خواہ مرد ہو یا عورت، حاکم ہو یا محکوم، امیر ہو یا غریب، آزاد ہو یا غلام، نماز ہر ایک پر فرض ہے، جب کہ زکوٰۃ کچھ شرائط کے ساتھ خاص طبقہ کے لوگوں پر فرض ہے، روزہ میں کچھ خاص حالات کے تحت مسافر ومریض اور حد درجہ کمزور وناتواں کو رعایت ہے، حج امت کے انہیں مالداروں پر لازم ہے جن کے لیے سفر کرکے بیت اللہ شریف تک پہونچنا آسان ہو۔

زکوٰۃ میں بھی اجتماعیت کا عنصر شامل ہے کہ طبقہ کے مالداروں سے ایک خاص مقدار میں زکوٰۃ نکلوا کر مسلم سماج کے غریب ونادار طبقہ تک پہونچانا اس سے دونوں طبقہ کے مابین ہمدردی و غم گساری کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، ایک جانب سے اطاعت شعاری کا اظہار ہوتا ہے تو دوسری طرف سے احسان مندی کا اظہار کیا جاتا ہے، مالداروں کو اپنے لاچار ونادار مسلم بھائیوں بہنوں کی ایک گونہ مدد کرکے دلی خوشی ہوتی ہے تو مساکین ومحتاجین کو اپنائیت محسوس ہوتی ہے کہ ہمارے مسلم بھائیوں نے ہمیں نظرانداز نہیں کیا۔

روزہ میں وحدت ومساوات بایں معنی پنہاں ہے کہ خوش حال اور فاقہ کش دونوں طبقہ ایک ساتھ بھوک وپیاس کی شدت وحدت کو جھیلتے ہیں، اغنیاء واصحابِ ثروت افراد کو اسی بھوک وپیاس کی حالت میں ان نان شبینہ کے محتاج دینی بھائیوں کی محتاجگی اور کس مپرسی کا ادراک ہوتا ہے چنانچہ ان کی حاجت روائی کے جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں ان کے لیے تعاون کو دینی فریضہ سمجھ کر آگے آتے ہیں۔

اسلام نے اپنی تمام عبادات میں اسی وحدت ومساوات اور انسانیت نوازی کو ملحوظ رکھا ہے اور حج اسلامی وحدت، نسلی مساوات اور دینی اخوت، ایمانی محبت کا سب سے نمایاں اور روشن حصہ ہے جو از اول تا آخر اجتماعیت کے نظام کی ترجمانی کرتا ہے۔

اسلام کی یہ تعلیم وتربیت انسانی فطرت اور آسمانی اصول کے عین مطابق ہے کیوں کہ جب اللہ رب العزت نے اس کائنات ارضی کو اپنی سب سے پیاری مخلوق سے آباد فرمایا تھا تو اس کا اصل مقصد اپنے الہ العالمین، معبود واحد کی طاعت وبندگی کرنا تھا وہ ایمان کے ساتھ دنیا میں زندگی گزار رہا تھا کہ یہ کائنات اور جو کچھ اس میں موجود

ہے سب اللہ واحد کی تخلیق کا ادنی سا حصہ ہے، ان سب کا خالق و مالک وہی اللہ ہے جس نے مجھ کو وجود بخشا ہے، اور میرے لیے ان تمام اشیاء کو مسخر کر دیا تا کہ میں بلا شرکت غیرے صرف اسی معبود برحق کی بندگی کروں، قرآن نے اسی حقیقت کو ہمارے سامنے اس آیت کریمہ میں پیش کیا ہے:

"كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ" [البقرۃ:۲۱۳]

(تمام لوگ ایک جماعت تھے تو اللہ نے نبیوں کو بھیجا جو ایمان والوں کو خوش خبری اور گمراہ لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے تھے)۔

مفسرین امۃ واحدۃ کی تفسیر میں لکھا ہے: متفقین علی الایمان باللّٰہ، بعض نے لکھا ہے: مجتمعین علی الھدی بعد نوح یعنی نوح علیہ السلام کے بعد دس صدیوں تک سب ایمان وہدایت کی راہ پر گامزن تھے ان میں شرک وکفر، ضلالت وجہالت کے جراثیم نہیں پیدا ہوئے تھے، اس کے بعد ان کے درمیان شیطان نے شرک وکفر کا بیج بو کر راہ حق سے گمراہ کر دیا، بعض مفسرین نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک ایک ہزار سال مراد لیے ہیں اور اس قوم میں شرک وکفر اور اصنام پرستی رائج ہوئی جس کے بعد اللہ نے نبیوں، رسولوں کو ان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمانے کا سلسلہ شروع کیا۔

حج بیت اللہ میں ایمانی وحدت اور انسانی مساوات

حج اپنے تمام ارکان واعمال اور احکام و مناسک میں امۃ واحدۃ کا نظارہ رکھتا ہے، ایک عقلی وتربیتی ترتیب قائم کرتا ہے، نماز اور حج کے درمیان کہ کس طرح اسلامی سال کے اختتام پر مکہ وعرفات اور منی کے مقدس مقامات پر جو بین الاقوامی سطح پر فرزندان توحید کا عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے، اس اجتماع کا پہلا مرحلہ دوسرا، پھر تیسرا مرحلہ کس شان کے ساتھ پوری دنیا کے ہر خطہ، منطقہ اور ہر ملک وعلاقہ میں ترتیب وار انجام پاتا ہے اور مسلمانوں کو اتحاد واتفاق محبت ورواداری اور انسانیت ومساوات کی لڑی میں پروتا ہے اس کے بعد مسلمانوں کے چنیدہ افراد پوری دنیا سے ایک عظیم الشان مرکز پر جمع ہوتے ہیں، یہ مراحل ہیں: ۱- پنج وقتہ نمازیں، ۲- جمعہ کا اجتماع، ۳- عید الفطر کا اجتماع، ۴- اور آخر میں عید الاضحیٰ اور عرفہ۔

نماز پنج وقتہ

اسلام نے مسلمانوں پر روزانہ صبح وشام ملا کر پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے جنہیں باجماعت محلّہ کی مساجد میں بالالتزام ادا کیا جائے گا اس کے لیے اذان مشروع فرمائی تا کہ نماز کے متعین اوقات پر پہلے سے لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے اور مسلمان اذان سننے کے بعد تمام دنیاوی وتجارتی مشاغل موقوف کر کے مسجدیں حاضر ہوں، پھر ایک امام کے پیچھے صف بندی کر کے نماز ادا کریں، اس صف بندی کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں کی صف سے تشبیہ دی ہے، شانہ سے شانہ ملا کر پیروں کو برابر رکھ کر کسی امتیاز وتفوق کے کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا ہے، یہ صف بندی نماز ہی کا حصہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سَوُّوا صفوفكم فإنَّ تسوية الصفوف من إقامة الصلاة". [بخاری ومسلم]

بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصلیوں کے کندھوں کو برابر کراتے تھے، اور فرمایا کرتے آگے پیچھے مت کھڑے ہو۔ [مسلم] پہلی صف کو مکمل کر کے دوسری صف لگانے کی تاکید فرماتے تھے جب صف بالکل برابر ہو جاتی تھی، تب تکبیر کہہ کر نماز شروع کرتے تھے۔ [ابوداود] ایک دفعہ ایک نمازی کو صف سے الگ ہو کر پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کو نماز دہرانے کا حکم دیا۔ [ترمذی واحمد]

روزانہ پانچ دفعہ نماز باجماعت کی اہمیت و افادیت اگر ہم محسوس نہ کر سکیں تو صد افسوس یہ وہ تربیت کا فطری طریقہ ہے جس میں رنگ ونسل، امیر وغریب اور گورے کالے کا فرق مٹ جاتا ہے، کسی کو کسی پر اپنی برتری کا احساس نہیں ہوتا ہے، بلکہ اگر واقعی اس کے دل میں اللہ کی کبریائی وجلالت کا احساس ہے اور وہ اپنے کو انسان تسلیم کرتا ہے تو اس کے اندر اپنے ایمانی ودینی نمازی بھائیوں کے لیے برابری، مساوات، محبت و مودت کا شعور پیدا ہوتا ہے، حسد، کینہ، نفاق، کبر و غرور کے جراثیم اس کے نہاں خانۂ دل سے نکل جاتے ہیں، روزانہ اپنے ایمانی بھائیوں سے مسجد میں ملنے ملاقات کرنے سے ایک انس پیدا ہوتا ہے، ایک دوسرے کے احوال وکوائف سے آگاہ ہوتے ہیں، باہم مختلف امور پر تبادلۂ خیالات سے بہت سارے معاشی ومعاشرتی مسائل حل ہو جاتے ہیں، یہ سب نماز کی برکات ہیں، نیز وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا کی تعلیم وتاکید کا ایک حصہ بھی ہے۔

نمازِ جمعہ

اسلام نے ہفتہ میں ایک دن پورے شہر وقصبہ اور گاؤں کے مسلمانوں کی اجتماعی عبادت رکھی ہے، یہ نماز جمعہ ہے، بروز جمعہ ادا کی جائے گی روشن دن میں، تا کہ خوب اچھی طرح ہر مسلمان تیار ہو کر اس اہم ترین عبادت میں شریک ہو، جمعہ کا دن اپنے فضائل وبرکات میں سید الایام ہے، اللہ تعالیٰ نے نماز جمعہ کی شان میں پوری سورت نازل فرمائی ہے، یوم جمعہ ہم

مسلمانوں کے لیے گویا ہفتہ کی عید اور اسلامی وحدت ومساوات کی نوید ہے، جمعہ کی فضیلت کے بارے میں مسلم شریف کی یہ حدیث کافی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خير يوم طلعت عليه الشمس يومُ الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه أدخل الجنة، وفيه أخرج منها، ولا تقوم الساعة إلا في يوم الجمعة. [مسلم] (سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا ہے، اسی دن آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا، اور اسی دن جنت سے نکال کر (دنیا میں بھیجا گیا) اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی واقع ہوگی)۔

نمازِ جمعہ کے اہتمام کا حکم دیا گیا ہے اور غفلت شعاری اور بے رغبتی کے باعث تین جمعہ چھوڑنے والے کے بارے میں فرمایا کہ اس کے دل پر بدبختی کی مہر لگادی جاتی ہے۔ [ترمذی، ابوداود]

نمازِ جمعہ اسلامی وحدت ومساوات ایک ایسا تربیتی نظام ہے جس میں محلّہ کی مساجد میں روزانہ نماز باجماعت ادا کرنے والے فرزاندان توحید شہر وقصبہ کی مرکزی جامع مسجد میں جمع ہوتے ہیں، صف بندی وادائیگی نماز کا وہی نظم ہے جو عام دنوں میں ہر مسجد میں پانچ مرتبہ قائم ہوتا ہے، لیکن جمعہ کی نماز میں اجتماعیت کا دائرہ وسیع تر ہو جاتا ہے، مختلف محلّہ کے تمام عاقل بالغ آزاد مقیم صحت مند مسلمان ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے ہیں، امام جمعہ سے قبل ایک خطبہ دیتا ہے، جس میں صلاح وتقویٰ، خشیت الٰہی، اتحاد واتفاق، انفاق فی سبیل اللہ جیسے اہم امور پر اسلامی ہدایات قرآن وحدیث کے حوالوں سے بیان کرتا ہے، یہ خطبۂ جمعہ نماز کا لازمی حصہ ہے، نماز میں تخفیف کر دی گئی ہے کیوں کہ مجمع بڑا بھی ہے اور روشن دن میں کاروباری وتجارتی مشغولیات کا لحاظ بھی رکھا گیا، نماز جمعہ سے مسلمانوں کی اجتماعیت ووحدت اور مساوات کا مشاہدہ بھی تمام لوگ کرتے ہیں، اسلامی شوکت وعظمت اور اللہ رب العزت کی الوہیت ووحدانیت کا منظر بھی سب دیکھتے ہیں کہ کس جوش و ولولہ کے ساتھ تمام اہل ایمان ہزاروں کی تعداد میں ایک ساتھ قیام کرتے ہیں، رکوع وسجدہ بجالاتے ہیں پھر نماز قائم کرکے اپنے اپنے کاروبار میں لگ جاتے ہیں۔

اس فطری ترتیب سے دلوں میں ایمانی محبت کا نور فروغ پاتا ہے، مسلمانوں کو ذات وبرادری اور رنگ وروپ سے بلند ہوکر اپنے کو اتحاد واتفاق کی لڑی میں منظّم ہونے کا احساس ہوتا ہے۔

عید الفطر کی وحدت

ہر دن اور ہر ہفتہ کا یہ اجتماع پورے سال ہوتا رہتا ہے اور سال کے نویں مہینے رمضان المبارک کے اختتام پر ایک بہت بڑا اجتماعی نظام عید الفطر کے نام پر برپا ہوتا ہے جس میں روزہ کا فرض ادا کرنے کے شکرانے میں شہر یا قصبہ کے تمام مسلمان یکم شوال کو بحکم الٰہی شہر وقصبہ یا گاؤں کے باہر کھلے میدان میں پاک وصاف ہوکر خوشبوؤں سے معطر ہوکر نئے اور اچھے لباس میں جمع ہوتے ہیں تاکہ دو رکعت نماز شکر ادا کریں، عید الفطر کی نماز کا یہ اجتماع پورے شہر کے مسلمانوں کو وحدت ومساوات اور محبت واخوت کی لڑی میں تسبیح کے دانوں کی طرح منسلک کر دیتا ہے۔

عید الفطر مسلمانوں کے لیے اللہ رب العالمین کا عطا کردہ اسلامی تہوار ہے، جو اسلامی شان و شوکت، اسلامی وحدت ومساوات، اسلامی بھائی چارہ اور اسلامی روایات کا عکاس ہے، دنیا کے سامنے مسلمانوں کی اجتماعیت کا منظر ہوتا ہے، وہ کھلی جگہ پر کھلی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھتے ہیں، کس شان سے فرزندان توحید اپنے خدائے واحد کے رو برو اظہار بندگی کر رہے ہیں، کوئی تفریق وامتیاز نہیں، ایک ہی صف میں محمود وایاز کھڑے ہیں، نہ کوئی بندہ ہے نہ بندہ نواز، آقا ہے نہ کوئی غریب ہے، نہ کوئی امیر بلکہ سب میں ایمان نے برابری کا احساس پیدا کر دیا، سب دل اسی طرح کینہ وبغض اور حسد ونفرت سے پاک وصاف ہیں، جس طرح ان کے زرق وبرق لباس اور ان کے وجود سے محبت والفت اور انسانی ہمدردی کی خوشبو اسی طرح پھوٹ رہی ہے جس طرح لباس سے مشک وعنبر اور عطر خوشبو فضا کو مشکبار کیے ہوئے ہے۔

اسلامی اجتماعیت کی اس سے بہتر مثال اور اس سے واضح اظہار اور کس طرح کیا جاسکتا ہے، اسی اسلامی شان وشوکت نمایاں کرنے کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ عیدین کی نماز ادا کرنے والے اگر ایک راستے سے عیدگاہ میں جائیں تو دوسرے راستے سے واپس ہوں تاکہ دنیا والے دیکھیں کہ اسلام کس طرح ہزاروں لوگوں کو ایک کلمہ توحید اور ایک اصول و دستور پر سیسہ پلائی دیوار بنا دیتا ہے، سب کو بلا امتیاز قوم وقبیلہ اور خاندان ایک صف میں کھڑا کر دیتا ہے، وہ اپنے تربیتی نظام تحت گورے کالے، حبشی عربی، عجمی جسم واحد کی طرح متحد کر دیتا ہے، یہی وہ طاقت ہے جو مسلمانوں کو بلندیوں پر لے جاتی ہے اور اقوام عالم پر ان کی غلبہ عطا کرتی ہے، وہ اسی فطری تربیت کے تحت تنازعات ومشاجرات کی دلدل سے نکل کر مستحکم پہاڑ کے مانند کھڑے ہو سکتے ہیں، انتشار کی جگہ اتحاد کی نعمت سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

حج: اسلام وحدت کا جامع ترین مظہر

ہم نے حج بیت اللہ میں اسلامی وحدت اور ایمانی مساوات کا عنوان لگا کر ایک مرحلہ وار تربیتی نظام کا جائزہ پیش کر دیا ہے، اب غور فرمائیں کہ اسلام نے کس حکمت عملی اور بالغ نظری کے ساتھ اولاً محلّہ وار مسلمانوں کو متحد کیا ہے، پھر شہر وقصبہ، ملک کی سطح پر اتحاد وملت کی تربیت فرمائی اور سب سے آخر میں سال کے اختتام پر بین الاقوامی پیمانہ پر اسلامی وحدت، نسلی مساوات اور ایمانی اتفاق کا نظام حج بیت اللہ کی صورت میں ترتیب دیا ہے۔

حج کسی خاص شہر یا علاقہ کا اجتماع نہیں ہے، بلکہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے کروڑوں مسلمانوں کو وحدت ومساوات کی سنہری زنجیر سے جوڑ دیا ہے، اس وحدتِ فکر ونظر اور مساوات نسل وجنس کا پہلا مظہر وہ اعلان حج ہے جو سیدنا ابراہیم خلیل اللہ معمار بیت اللہ کی زبان خلت وصداقت سے اول رب العالمین نے کر دیا تھا اور اللہ نے پوری دنیا میں اس کو عام کیا تھا: "وأذن فی الناس بالحج یأتوك رجالاً وعلی کل ضامر یأتین من کل فج عمیق"۔ [سورۃ الحج: ۲۷]

اور فرمایا: ''اے ابراہیم! آپ لوگوں میں اعلان حج کر دیں وہ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور ہر دور دراز وادیوں سے دبلی پتلی تیز رفتار اونٹنیوں پر بھی آئیں گے''۔

اسی دن سے ایمان ویقین کی دولت سے بہرہ یاب فرزندانِ توحید ایام حج میں پروانہ وار ہر سال بیت اللہ کی زیارت، حج کی نیت کے قصد کے ساتھ کرتے ہیں، مسافت کی درازیاں، راہ کی دشواریاں، سفر کی صعوبتیں، وسائل کی قلتیں ان کی راہ کی رکاوٹ نہیں بنتی، مکہ مکرمہ سے قریب تر مقامات کے حجاج پیدل ہی نکل پڑتے ہیں تو دور علاقوں کے عازمین حج سواریوں پر سفر کرتے ہیں، عہد وزمانہ کی تبدیل کے سبب آلات سفر اور ذرائع زیارت بدلتے گئے، پہلے اونٹ، گھوڑے، گدھے تھے، پھر موٹر گاڑیاں، کشتیاں اور اب جدید ترین آلات جو مہینوں کی مسافت دنوں میں طے کرا دیتے ہیں استعمال ہو رہے ہیں، فضا میں اڑتے ہوائی جہاز، سمندر میں تیرتے پانی کے جدید جہاز حج کے مہینوں میں بسوئے حرم رواں دواں نظر آتے ہیں، دنیا کے ہر گوشہ، ہر خطہ، ہر ملک جہاں جہاں اہل ایمان بود وباش اختیار کیے ہوئے ہیں، وہاں وہاں سے اپنے اپنے ملک کے قانون وآئین سفر کے تحت سفر کرتے ہیں، رنگ وروپ، جنس ونسل کے تمام امتیازات کو مٹاتے ہوئے گورے کالے، عربی، عجمی، رومی، چینی، ایرانی تورانی، افغانی، ہندوستانی ہر فرد مسلم تمام ملکی تہذیبوں، روایتوں کو پس پشت ڈال کر ابراہیمی محمد تہذیب میں ڈھل جاتا ہے، اسلامی وحدت کا ایک روح پرور نظارہ دنیا کے ہر براعظم، ہر ملک، ہر خطہ میں ہوتا ہے، احرام کی حالت میں ننگے سر، بکھرے بال، یادِ خدا میں سرمست، تلبیہ کے کلمات بآواز بلند کرتے ہوئے والہانہ انداز، عاشقانہ جذبات کے ساتھ سوئے حرم کارواں کے کارواں چلے جا رہے ہیں، انہوں نے اسلامی وحدت کے بتان رنگ و خون کو توڑ کر ملت میں خود کو گم کر لیا ہے، اقبال دانا نے کیا خوب کہا اور سچ کہا:

بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی نہ افغانی

حجۃ الوداع منشورِ وحدت ومساوات

حج میں اسلامی وحدت ومساوات کامل آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے، حج مسلمانانِ عالم کا وہ عالمی اجتماع اور بین الاقوامی کانفرنس ہے، جس میں کسی قوم ومذہب کے عقائد ونظریات پر بحث نہیں ہوتی، بلکہ پوری دنیا کے مسلمان جن کو اللہ رب العزت مدعو خصوصی کے طور پر اپنے گھر بلایا ہے وہ وہاں اپنی فدائیت وسپردگی کا ثبوت پیش کرتے ہیں، اپنے ہر ہر عمل سے یہ ظاہر کرتے ہیں، ہم اپنا محاسبہ کرنے اپنے اعمال وکردار کا جائزہ لے کر اس کو اللہ کے رنگ میں رنگنے کے عمل سے گزر رہے ہیں، وہ اپنی حرکات وسکنات سے اعلان کرتے ہیں، الحکم للّٰہ والعظمة للّٰہ، وہ اپنی محبت کا پیمانہ مقرر کرتے ہیں، کہ ہماری زندگی میں سے سے زیادہ أشد حباً للّٰہ کا اعلان اہمیت رکھتا ہے، لہٰذا ایک حاجی تمام تر دنیوی تعلقات کو پس پشت ڈال کر احرام باندھتے ہیں، دربارِ الٰہی میں اپنی حاضری، فروتنی، خود سپردگی کا بلندی سے یہ اعلان کرتا ہے:

لبیك اللّٰھم لبیك لا شریك لك لبیك۔

اے بارِ الٰہا! تیرا یہ عاجز بندہ تیرے دربار میں حاضر ہے، حاضر ہے یا رب العالمین، یہ دل گہرائیوں سے بانگ دہل اہلان کر رہا ہے کہ تیرا کوئی شریک نہیں نہ ذات میں، نہ صفات میں، تمام نعمتیں، برکتیں، رحمتیں تیری طرف سے ہی ہم کو مل رہی ہیں، ہم ہر ہر نفس تیری نعمتوں کے مرہون منت ہیں، تیری قدرت وطاقت کے سامنے سرنگوں، ہماری نمازیں، عبادتیں، قربانیاں سب تیرے لیے ہیں، تیرے در پر ہم نے اپنے آپ کو ڈال دیا ہے، اپنے تمامتر جذبات و احساسات کے ساتھ خود کو تیرے حوالے کر دیا ہے، ہم نے ایک رنگی اختیار کر کے یہ اعلان کیا ہے کہ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر حسب و نسب، قبیلہ وخاندان رنگ ورپ، جنس وعنصر کے لحاظ سے نہ امتیاز حاصل ہے نہ برتری۔

حجاج کی طرف سے تلبیہ کی ادائیگی ہر جگہ مسلسل ہوتی ہے، پہاڑوں پر چڑھتے، وادیوں میں اترتے، جگہوں میں چلتے، قافلوں سے ملتے، صحرا میں گھومتے، منیٰ وعرفات اور مزدلفہ ہر جگہ حاجی اپنی حاضری درج کراتا ہے، طوافِ کعبہ کرتے وقت لاکھوں کی تعداد میں اسی وحدت کا نظارہ پیش کرتے ہیں کہ چاروں سمت کے مسلمان جس میں عربی وعجمی، گورے کالے سبھی ہیں، رومی وحبشی بھی یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ مختلف جہات سے آتے ہیں، ان کو صرف یہ یاد رہتا ہے کہ کعبۃ اللہ نے پوری دنیا کو ایک قبلہ ایک مرکز، ایک دربار سے جوڑ رکھا ہے، اس کے چارسمت گھوم گھوم کر تمام سمتوں کو ایک محور پر مرکوز کردیتے ہیں۔

ان اعمال کے بعد حج کا سب سے اہم منشور وحدت رسول کائنات محمد عربی کا وہ تاریخی خطبہ حجۃ الوداع ہے، جو عرفات ومنیٰ کے میدان نے گواہ بن کر سنا اور محفوظ کرلیا، ایک لاکھ چوبیس ہزار نفوس قدسیہ نے دل کے کان سے سنا اور اس خطبہ کی تفسیر وتصدیق وتوضیح بن گئے، یہ منتخب افراد تھے جن کو اللہ نے اپنے رسول صادق وامین کے تلامذہ کے طور پر براہ راست چنا تھا انہیں کے ذریعہ پوری دنیا میں اسلام کے منشور مساوات ووحدت عام کرنا تھا۔ رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ

حجۃ الوداع کا خطبہ ہی مسلمانوں کی اجتماعی طاقت وقوت کی نمائندگی کرتا ہے کہ ہم ایک ہوکر خورشید مبیں بن سکتے ہیں اور شرک وکفر کی تاریکی سے دنیا کو نور ہدایت کی طرف لے جاسکتے ہیں۔

یہ صحابہ کرامؓ کی جماعت تھی جو حجۃ الوداع کے موقع پر صدائے رحمت للعالمین پر گوش برآواز اور سراپا طاعت گزار تھی، انہیں کو مخاطب بنا کر تاریخ رقم کرانی تھی کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسلام سے قبل اس منشور وحدت ومساوات کے برعکس ایسی غیر انسانی، غیر فطری زندگی گزاری تھی، جس میں قبائل انانیت، خاندانی نخوت، ارذل واشرف، اعلیٰ وافضل کا معیار دولت، طاقت کی بنیاد پر قائم تھا، ہر ایک فرد خود کو سب سے افضل اور دوسروں کو احقر وارذل مانتا تھا، لیکن آج تیئس سال کی تربیت کے بعد اس کے دل میں یہ حقیقت جم گئی تھی کہ انسان کی حیثیت سے سب برابر اور ایک باپ کی اولاد ہیں، ایک اللہ کے بندے ایک عقیدہ کے ماننے والے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستوری وآئینی خطبہ میں یہ بتادیا کہ یہ منشور وحدت ومساوات قیامت تک غیر مبدل ہے، یہی اسلامی شان اور مسلمان کی پہچان کے ساتھ معیار عدل وانصاف اور شعار دین ہے، مسلمانوں کی شوکت وعزت، رفعت وعظمت، حکومت وقیادت کی ضمانت یہی آسمانی دستور وحدت ہے، آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا، صرف ایک حصہ پیش کرتا ہوں، جب کہ انسانی حقوق کی اس سے زیادہ توضیح وتعیین اور آزادی رائے اور آزادیٔ عمل کی ضمانت کے ساتھ کسی نبی فرد یا جماعت کو ترجیح نہیں دی گئی، پوری انسانیت کو مخاطب فرمایا گیا، انسانی حقوق اولین منشور اعظم کو آج تک کسی لیڈر یا تنظیم نے نہیں پیش کیا نہ ہی اقوام متحدہ اس اسلامی منشور کا عشر عشیر حق دے سکی ہے، یہ قیامت تک باقی رہنے کا عالمی منشور ہے، میثاق اعظم ہے:

یا أیھا الناس! إن ربکم واحد وإن أباکم واحد ألا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی، ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود علی أحمر بالتقوی، إن أکرمکم عند اللہ أتقاکم، ألاَ ھل بلغت؟ قالوا بلیٰ یا رسول اللہ! قال: فلیبلغ الشاھد الغائب (اے لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے، تمہارے باپ ایک ہیں سنو کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ذریعہ)۔

بعض روایتوں میں الفاظ بدلے بھی ہیں، صحاح ستہ میں خطبۂ حجۃ الوداع پر احادیث تفصیل کے ساتھ موجود ہیں، فرمایا: "کلکم من آدم وآدم تراب، لا فضل لعربی علی عجمی، ولا لعجمی علی عربی ولا لأبیض علی أسود ولا لأسود علی أبیض إلا بالتقوی"۔

یہ خطبہ آیت کریمہ کی تفسیر ہے:

یَا أَیُّھَا النَّاسُ! إِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّأُنْثَی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ أَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ أَتْقَاکُمْ. [سورۃ الحجرات]

مسلمانوں نے جب تک اس منشور وحدت ومساوات کو حرز جان بنائے رکھا وہ طاقت وقوت کا سرچشمہ تھے، حکومت وسیادت ان کے گھر کی باندی تھی، اقوام وملل ان کی عظمت وشوکت کے آگے سرنگوں تھی، لیکن جب مسلمانوں میں وطن وقوم، ملک وعلاقہ اور خاندان ومعاشرہ اور مسلک ومذہب کے نام پر انتشار واختلاف پیدا ہوگیا، وہ ذات برادری اور قومیت ووطنیت کے پرستار بن گئے تو ساری طاقت وقوت بکھر کر رہ گئی، آج جو منظر ہے جو حالات ہیں اور مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کا قتل عام کرنے میں خود پاسبان حرم امریکہ واسرائیل کے معاون ومددگار ہیں، قبل اول کے محافظین جس طرح بیت المقدس کا سودا کر رہے ہیں اس کے تناظر میں حج بھی ایک اجتماع محض ایک رسم حضور اور زبانی نعرہ بازی بن کر رہ گیا ہے، اس سال بھی حج کے موقع پر لاکھوں لاکھ فرزندانِ توحید جمع ہوں گے، سربراہانِ مملکت آئیں گے، لیکن کچھ فرق نہیں آئے گا، فلسطین جل رہا ہے، جلتا دیکھ کر منھ پھیر کر چلے جائیں گے۔

☆☆☆☆☆

تعارف وتبصرہ

پروفیسر محمد راشد اعظمی ندویؒ اور ان کی جدید مطبوعات

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

ڈاکٹر محمد راشد ندوی ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جنھوں نے عربی زبان وادب کے حوالہ سے ہندوستان میں ایک مرجع کی حیثیت حاصل کی، اپنے 'منظر' اور 'پس منظر' دونوں میں ندوۃ العلماء سے ان کا خاص تعلق نظر آتا ہے؛ جہاں تک پس منظر کا تعلق ہے تو ان کا خاندان کئی پشتوں تک ندوۃ العلماء سے وابستہ رہا، ان کے خانوادہ کی عظیم شخصیت اور ان کے جد اعلیٰ شیخ حفیظ اللہ بندوی نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ مہتمم کے اہم منصب پر فائز بھی رہے تھے، ان کے جد امجد مولانا محمد مرتضی ندویؒ دار العلوم ندوۃ العلماء میں نحو وصرف اور فقہ کے استاد رہے، اور والدِ محترم مولانا محمد سعید ندویؒ بھی جامعۃ الاصلاح سرائے میر میں تدریسی خدمت انجام دینے کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں استاد رہے، وہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگردوں میں سے تھے۔

رہی منظر کی بات تو ڈاکٹر صاحب موصوف نے جامعۃ الاصلاح سرائے میر میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ لیا، انھوں نے پہلے عالمیت کی سند حاصل کی، پھر کلیۃ اللغہ سے تخصص فی الادب العربی کیا۔ یہاں ان کو مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی شفقت وعنایت حاصل رہی۔

فضیلت سے فارغ ہوئے تھے کہ شیخ مصطفیٰ سباعی کی خواہش پر ندوی فضلاء کا ایک تعلیمی وفد شام کے سفر کے لیے تیار ہوا، ڈاکٹر صاحب موصوف کو بھی حصولِ علم کی لذت وطن کے نگار خانہ سے نکلنے کے لیے آمادہ کرنے لگی، چنانچہ وہ بھی اس وفد میں شامل ہوئے، اور جاکر جامعۃ دمشق کے کلیۃ الشریعۃ میں داخلہ لیا۔ یہاں انھوں نے ملکِ شام کے علماء وادباء سے بھرپور استفادہ کیا، جن میں بہ طورِ خاص استاذ محمد مبارک، استاذ مصطفیٰ زرقاء، استاذ محمد مصطفیٰ سباعی، استاذ معروف دوالیبی، استاذ بہجہ بیطار اور شیخ علی طنطاوی قابلِ ذکر ہیں۔

جامعہ دمشق سے فراغت کے بعد انھوں نے جامعہ قاہرہ، مصر کا رخ کیا، اور وہاں سے عربی زبان وادب میں فاضل (ایم اے) کی ڈگری حاصل کی، یہاں بھی انھیں ایسی شخصیات سے استفادہ کرنے اور فیض اٹھانے کا موقع ملا جن کی شہرت محض عالمِ عرب تک محدود نہ تھی۔ ان میں چند نمایاں نام طہ حسین، محمود محمد شاکر، عباس محمود عقاد، شوقی ضیف وغیرہ کے ہیں۔

۱۹۶۲ء میں مصر سے واپس آنے کے بعد اپنے مربی ومشفق استاد مفکر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنے مستقبل کے تئیں ان سے مشورہ لیا، ان کی ایما پر علی گڑھ آئے، شیخ الجامعہ پروفیسر عبد العلیم سے ملاقات کی، اور شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے منسلک ہوگئے، ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے التحاق ہوا، ساتھ ہی میں معاون مدرس، پھر استاد مشارک، پھر لکچرار مقرر ہوئے، اسی درمیان ڈاکٹریٹ بھی مکمل کیا، اور آخر میں شعبہ کے صدر کے مقام پر فائز سبک دوش ہوئے۔

ملازمت سے سبک دوشی کے بعد بھی ڈاکٹر صاحب مرحوم کا قیام علی گڑھ میں رہا، جہاں انھوں نے ذاتی طور پر تصنیف وتالیف اور افادہ کا سلسلہ اپنی قیام گاہ پر جاری رکھا، اہل علم وفضل، اور ارباب بحث وتحقیق وعام طلبہ استفادہ کے لیے ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوتے تھے، اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اس کے علاوہ علمی نشستوں اور سیمیناروں میں ان کی شرکت باعثِ فخر وعلمی کاز کی تقویت کا سبب ہوتی، تا آنکہ ۲۰۲۱ء میں انھوں نے اس دارِ فانی کو الوداع کہا، اور خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنی عمرِ عزیز کا ایک حصہ علم وادب کی خوشہ چینی میں گذارا تو وہیں باقی حصہ اس کی آبیاری میں صرف کیا۔ انھوں نے بہت سے ادبی موضوعات اور عرب کی شخصیات کے ادبی وتنقیدی کاموں سے اہلِ ہند کو روشناس کرایا، وہ عربی ادب کے ماہرین کے اس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جس نے عربی زبان کو ہندوستان میں زندگی کی تازگی بخشنے میں اہم رول ادا کیا، اور اس کو 'عصریت' کا خوشنما جامہ پہنایا۔

ڈاکٹر صاحب نے جن موضوعات کو اپنی نوکِ قلم سے قوت وجمال عطا کیا' ان میں سے بعض مشتے نمونہ از خروارے اگر ذکر کیے جائیں تو یہ موضوعات نمایاں ہیں:

'قدیم وجدید عربی ادب کا تنقیدی جائزہ'، 'جدید عربی نثر کی ترقی کے مراحل'، 'جدید عربی نثر میں دینی عناصر وعوامل'، 'مصری قصہ نگاری کے جدید رجحانات'، 'ابن جوزی کا ادبی مقام'۔

ان کے علاوہ موصوف کی کئی وقیع تحریریں

ہندوستانی فضلاء و ادباء اور ان کی علمی کاوشوں پر تنقید وتبصرہ، ان کا تقابلی مطالعہ اور عرب مصنّفین و قلمکاروں کی کاوشوں سے ان کا موازنہ؛ ان کی محققانہ نظر اور مبصرانہ فکر کا محور رہے۔ انھوں نے ان موضوعات پر خوب لکھا، اہلِ علم وفضل سے ان پر داد تحسین وصول کی اور اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔

ڈاکٹر صاحب کی وفات کے بعد ان کے اہلِ خانہ بالخصوص فرزندان جناب دانش راشد اور جناب وقار راشد صاحبان اور صاحبزادی ارم راشد صاحبہ نے اپنے والد ماجد کے علمی ذخیرہ کا جائزہ لیا تو ایسے بعض نوادر پر نظر پڑی اور کچھ ایسی کاوشیں سامنے آئیں جو تا حال معرضِ شہود پر نہیں آ سکی تھیں؛ حالانکہ تشنگانِ علم وادب کے لیے ان میں آسودگی وتسلی کا بڑا سامان تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی نجابت کا ثبوت دیتے ہوئے والد ماجد مرحوم کی ان تصنیفات کی اشاعت کی فکر کی، اور ان میں سے کئی علمی کاموں کو سامنے لانے کا بیڑا اٹھایا۔ نتیجہ میں تین قیمتی تصنیفات اب زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر نذرِ قارئین ہیں۔ ذیل میں ان تینوں کا مختصر تعارف پیشِ خدمت ہے:

معن بن أوس المزنی

(تحقیق دیوانه و دراسة حیاته و شعره)

معن بن اوس مزنی معروف مخضرمی شاعر ہیں، عہدِ اسلامی کے معتبر شعراء کی فہرست میں ان کا اونچا مقام ہے، اور چونکہ انھوں نے اسلام قبول کیا تھا، اس لیے ان کا شمار صحابۂ کرام میں ہوتا ہے، ان کا قصیدۂ لامیہ ان کی شہرت میں بڑا حصہ رکھتا ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

لعمرك ما أدری و انی لأوجل
علی أینا تعدو المنیة أول

ڈاکٹر صاحب مرحوم کی یہ علمی کاوش اس عظیم شاعر کی شاعری، حالاتِ زندگی اور دیوان کی تحقیق سے عبارت ہے۔ درمیانی سائز کے سوا تین سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب راقمِ سطور کے رفیقِ درس جناب ابوذر متین اعظمی ندوی کی توجہ کا نتیجہ ہے، جو شعبہ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں معاون استاد ہیں، انھوں نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ کتاب کو قابلِ اشاعت بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ابتدا میں دو ندوی فضلاء محترم جناب پروفیسر ثناء اللہ ندوی صدر شعبہ عربی علی مسلم یونیورسٹی اور محترم جناب پروفیسر عبد الماجد قاضی ندوی صدر شعبۂ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ کی قابلِ قدر تحریریں شامل کی گئی ہیں، جن میں کاوش نگار کی علمی وادبی شخصیت اور اس کاوش کے علمی وتحقیقی مقام کو اعلی وبلیغ زبان میں اجاگر کیا گیا ہے۔

یہ کتاب دراصل جامعہ قاہرہ میں پیش کیا گیا ایم اے کا مقالہ ہے، جس کو ڈاکٹر صاحب مرحوم نے ڈاکٹر عمر دسوقی کے زیرنگرانی تالیف کیا، اور علامہ محمود محمد شاکر کی علمی توجیہات بھی اس تحقیق میں شامل حال رہیں۔

دیوانِ معن بن اوس کو جرمن مستشرق پال شچورز Paul Schwarz کی تحقیق کے ساتھ پہلے بھی شائع ہوا؛ لیکن ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف قدیم مصادر میں زرف بینی سے مزید اشعار کو تلاش کیا اور دیوان کو مکمل کرنے کی کوشش کی؛ بلکہ پال کے پیش کردہ دیوان میں تحقیقی و املائی غلطیوں کی نشاندہی کی، اشعار کی تخریج میں تحقیق کا بلند تر معیار قائم کیا، اور وہ مواد جو انھوں نے اپنے مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابوں کے مطالعہ اور اشعار کی جستجو میں پایا اس کو شرح وتوضیح کے ساتھ ضبط کیا، اور بعض اشعار اگر کسی اور شاعر کی طرف منسوب ہیں تو اس سے بھی قاری کو آگاہ کیا۔

النزعات السیاسیة و الاجتماعیة فی الشعر المصری المعاصر

یہ مقالہ ۲۰۴ رصفحات کی ضخامت کا ہے، اس کو ڈاکٹر تسنیم کوثر قریشی، شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے نظرِ ثانی کرکے قابلِ اشاعت بنایا، اور قابلِ قدر دیباچہ بھی تحریر کیا۔

یہ کتاب مصر میں بیسویں صدی کی سماجی اور سیاسی زندگی کی تاریخ کے مطالعہ کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، اور جدید عربی شاعری میں پیدا ہونے والے رجحانات کے مطالعہ کرنے والوں کے لیے بھرپور مواد بھی۔

کتاب پانچ بابوں پر مشتمل ہے؛ پہلے باب میں مصر پر فرانسیسیوں کی یلغار سے فرنگی حملے تک کی سیاسی اور سماجی زندگی کو پیش کیا گیا ہے، دوسرے باب میں فرنگی حملہ کے بعد مصر کے قومی ووطنی نظریہ کو بیان کیا گیا ہے، تیسرے باب میں خلافتِ عثمانیہ سے متعلق مصر کے موقف کا ذکر ہے، چوتھے باب میں مصری معاصر شعری ادب میں عربی قومیت کے عنصر سے بحث کی گئی ہے، جب کہ آخری باب میں مصر کے معاصر شعری ادب میں سماجی زندگی کے اثرات بیان کیے گئے ہیں۔

دراسات فی الأدب و الأعلام

تین سو کے قریب صفحات پر مشتمل یہ ڈاکٹر محمد راشد اعظمی ندوی کے متفرق تحقیقی مقالات کا مجموعہ ہے، جس کو ڈاکٹر عرفات ظفر معاون استاد شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے جمع کرکے ترتیب دیا ہے، اور معنویت کا حامل ایک خوبصورت 'پیشِ لفظ' بھی اس کے لیے تحریر کیا ہے، جس میں ڈاکٹر صاحب کے حالاتِ زندگی، ان کی نشو ونما اور تعلیم و تربیت کے ساتھ اس مجموعہ میں پیش کردہ مقالات کا فاضلانہ جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

یہ بیس مقالات ہیں، جن کے درجِ ذیل عناوین دیکھ کر مطالعہ کی امنگ جاگتی ہے، ملاحظہ کریں:

"أثر الاسلام فی الشعر"، الأدب العربی المعاصر فی ضوء النقد الاسلامی"، "قرية ظالمة(قصة لكاتبها كامل حسين)"، "عبقرية المتنبی و عظمته"، "أسرة تيمور و أثرها فی الثقافة العربية المعاصرة"، "الشيخ رشيد رضا المصری و دراسة آراء ه السياسية و الدينية"، "أحمد حسن الزيات -الكاتب الفنان"، "الشيخ محمود أبو زهرة"، "عباس محمود العقاد"، "نجيب محفوظ فی قصصه الاجتماعية"، "مشكلة تدريس اللغة العربية فی الجامعات الهندية"، "الدراسة الأدبية فی معاهد الهند و جامعاتها بين الأمس و اليوم"، "الهند فی ضوء الكتاب الشهير "نزهة الخواطر"، "السيد أحمد الشهيد"، "نظرية نظام القرآن للامام عبد الحميد الفراهی"، "الامام عبد الحميد الفراهی و آراؤه فی النقد و البلاغة"، "العلامة عبد العزيز الميمنی - محققا و معلماً"، "عبد العزيز الميمنی و منهجه فی البحث و التحقيق"، "العلامة السيد أبو الحسن علی الحسنی الندوی و حبه للوطن العزيز الهند و أبناء ه"، "ابن كثير - حياته و مؤلفاته"۔

تینوں کتابیں براؤن بکس، شمشاد مارکیٹ علی گڑھ سے شائع کی گئی ہیں، نفیس کاغذ استعمال کیا گیا ہے، اور جلد سازی کا اہتمام کیا گیا ہے۔

رابطہ کے لیے: +919818897975

bbpublication@gmail.com

☆☆☆☆☆

دولتِ عثمانیہ اور ترکی کی تاریخ - تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ

مولانا عتیق احمد بستوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

جلد اول (صفحات ۴۸۸) قیمت -/450

جلد دوم (صفحات: ۷۰۴) قیمت -/550

جلد سوم (صفحات: ۵۶۰) قیمت -/500

کل میزان -/Rs.1500

رعایت کے بعد مع ڈاک مصارف -/1000 روپے میں دستیاب ہے۔

نئی مطبوعات دیدہ زیب طباعت دولت عثمانیہ اور ترکی کی تاریخ کی مفصل داستان آسان اور دلنشیں پرایۂ بیان میں لکھی گئی۔

دولتِ عثمانیہ کا عروج وزوال، سلطان عبدالحمید ثانی کے دورِ خلافت اور ان کے کارناموں کی تفصیل، خلافتِ اسلامیہ کو ختم کرنے کا سانحہ، انجمن اتحاد وترقی اور مصطفیٰ کمال پاشا کے دورِ حکومت کے اہم واقعات، ترکی میں اسلامی بیداری کے حوصلہ افزا اقدامات وحالات، سلطان عبدالحمید ثانی کی دو ڈائریاں، نیز موجودہ صدر ترکی رجب طیب اردوگان کے مؤمنانہ اقدامات۔

مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام، لکھنؤ

ٹیگور مارگ، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539

موبائل نمبر 8318841286 / 9889378176

بارکوڈیا اکاؤنٹ نمبر کے ذریعہ رقم جمع کرا کر تینوں جلدیں حاصل کر سکتے ہیں۔

Account N0 10863759700

ACADEMY OF ISLAMIC RESEARCH & PUBLICATION

STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH LUCKNOW

IFSC CODE SBIN0000125

شوقِ فراواں

حج کا مقصدِ اصلی معرفتِ الٰہی

محمد اعظم ندوی (حیدرآباد)

کون ایسا مسلمان ہے جس کے دل میں یہ تمنائیں کروٹیں نہ لیتی ہوں کہ میں احرام کی دو چادروں میں لپٹ کر اللہ کے گھر کی زیارت کروں، سراپا عجز و نیاز، مجسم عشق و وارفتگی، ساری دنیا کو بھلا کر، یادِ محبوب دل میں بسا کر، سرمۂ عشق آنکھوں میں لگا کر، اور لبوں پر یہ نغمہ سجا کر کہ:

دنیا کے ستم یاد نہ اپنی ہی وفا یاد
اب مجھ کو نہیں کچھ بھی محبت کے سوا یاد

لیکن پھر وہ ٹھہر کر سوچتا ہے کہ گناہوں کے بوجھ کے ساتھ آخر کس طرح میں خانۂ خدا پر نگاہ ڈالوں گا، اور کس طرح کعبہ کے گرد سات پھیرے لگاؤں گا، زندگی بھر جس شیطان سے دوستی رہی، اسے کیوں کر کنکریاں مارسکوں گا، کیسے "لبیک" (میں حاضر ہوں) کہنے کا یارا ہوگا، اس ڈر سے کہ کہیں جواب میں "لا لبیک" (تیری حاضری قبول نہیں) تو نہ کہہ دیا جائے گا، اور نہ جانے محرومی اور یاس کے احساسات وخیالات کن کن وادیوں میں سرگرداں رکھتے ہیں، اور کبھی دل سے ایک دبی دبی سی آواز بھی آتی ہے کہ:

کعبہ کس منہ سے جاؤگے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

ایک طرف حرماں نصیبی کا یہ احساس ہوتا ہے اور دوسری طرف اللہ رب العزت کے فیصلے ہوتے ہیں، فریب خوردہ انسان بدگمانی کا ایسا عادی کہ اپنے رب سے بھی بدگمان ہوجاتا ہے، اور رب ہے کہ جب بلانے کا فیصلہ کرلیتا ہے تو کون ہے جو اس کے فیصلہ کو ٹال سکے، انتخاب قرعے کے ذریعہ نہیں ہوتا رب البیت کی جانب سے ہوتا ہے، کتنے لوگ دولت کا ڈھیر چھوڑ کر دنیا سے چلے گئے ان کو بلایا نہ گیا، وہ نہ جاسکے، جہاں بلایا گیا وہاں چلے گئے، اور کتنے ایسے ہیں جو اپنی مادی حالت پر نظر کرتے ہوئے یہ حوصلہ بھی نہیں پاتے کہ حج کا ارادہ کریں؛ لیکن شوق رہ رہ کر ان کے دلوں میں انگڑائیاں لیتا ہے، جذبہ کبھی آنکھوں سے امڈ آتا ہے، کبھی زبان پر بے اختیار چلا آتا ہے، دل میں عشق کی انگیٹھیاں سلگتی رہتی ہیں، بے قراری اور بے تابی کا اظہار صرف مولائے کائنات کے حضور اس وقت ہوتا ہے جب ہاتھ دعا کو اٹھتے ہیں، ایسے بھی عاشق زار ہیں جو خیالوں میں حرم کی سیر کرتے ہیں، نگاہوں میں کعبہ کو سجاتے ہیں، لبوں کو حجر اسود پر رکھتے ہیں، زم زم سے سیر ہوتے ہیں، ملتزم سے چمٹتے ہیں، منی اور عرفات کی وادیوں میں دیوانہ وار دوڑتے بھاگتے ہیں، مزدلفہ سے کنکریاں چنتے ہیں، کبھی صفا و مروہ پر ہانپتے کانپتے تیز قدموں سے چلتے ہیں، کبھی روضۂ انور کی جالیوں کو خود سے قریب پاکر پکار اٹھتے ہیں: "السلام علیك یا رسول اللّٰہ"، کبھی ریاض الجنۃ کی کیاریوں میں سر بسجود ہوتے ہیں، کبھی بقیع کے میدان میں کھڑے ہوکر صدیوں میں گم ہوجاتے ہیں، لیکن یہ سب خواب سے زیادہ کچھ اور نہیں ہوتا کہ جب آنکھ کھلتی ہے تو گرد و پیش کے وہی نظارے سامنے ہوتے ہیں جن میں ان پر کیف خیالوں کے بعد کوئی کشش اور لذت نہیں رہ جاتی، دل رنجور ہوتا ہے کہ وہی زندگی ہے اور وہی زندگی کے ادھورے فسانے، وہی رشتہ و پیوند، وہی متاع غرور کا سودا، وہی مکر و فن اور وہی اجڑی ہوئی انجمن:

لگتا نہیں ہے دل مرا اجڑے دیار میں
کس کی بنی ہے عالم نا پائیدار میں

جو خوش نصیب اس سال عازم حج کے طور پر قبول کیے جاچکے ہیں ان کے سفر حج کی گھڑیاں قریب آچکی ہیں، تربیتی اجتماعات ہورہے ہیں، سفر میں قدم قدم پر کیا صعوبتیں ہیں، تجربہ کاروں سے معلوم کیا جارہا ہے، آپ نہ بھی معلوم کریں اور کسی نے آپ کی پیشانی کو پڑھ لیا کہ یہ عازم حج ہے اور وہ حاجی بن چکا ہو تو بلا طلب بھی دو چار مشورے مفت عنایت کرنے کی سعادت حاصل کرلے گا۔

آپ حج کے تربیتی اجتماعات میں بھی جائیں تو حج کے مادی پہلوؤں پر سوالات زیادہ سنے کو ملیں گے، اس کے بعد کچھ حج کے علمی پہلوؤں پر، حج کے روحانی پہلوؤں پر کم گفتگو ہوگی جب کہ حقیقت میں حج کا سب سے اہم پہلو یہی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ وسائل و اسباب کی اپنی جگہ اہمیت ہے ان سے واقفیت اور ان سے استفادہ ضروری ہے، سفر حج کو سہولت بخش بنانا بھی کوئی گناہ نہیں، اسی طرح حج کے مسائل بھی جاننا ضروری ہے؛ لیکن ان کی تلافی بسا اوقات دم کے ذریعہ اور بعض اعمال میں معافی سے بھی ہو سکتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے والے صحابہ کرامؓ جب آپ سے حج کی

بعض تقدیم وتاخیر کے بارے میں دریافت کرتے تو آپ بار بار یہی جواب عنایت فرماتے: ”افعل و لا حرج“ [بخاری: باب السؤال والفتیا عند رمی الجمار، حدیث نمبر: ۱۲۴] (کیے جاؤ، کوئی گناہ نہیں)، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کے اکثر اعمال میں غلطی کا امکان ہے اور غلطیوں کی تلافی بھی ہوسکتی ہے؛ لیکن اگر حج کا روحانی پہلو متأثر ہوگیا تو یہ بڑے خسارہ کی بات ہے۔

یہ بھلانے کی چیز نہیں کہ حج کا مقصد اصلی اللہ کی معرفت ہے، اور اس کا ذکر ہی حج کا سب سے بلند ترین مقصد ہے، قرآن مجید میں سورۂ حج جو صرف آدھے پارے پر مشتمل ہے اور جس میں صرف ۷۸/ آیتیں ہیں، اللہ کا ذکر صاف لفظوں میں یا اشارہ میں اس سورہ کے اندر ایک سو پنچانوے (۱۹۵) مرتبہ آیا ہے، کسی سورہ کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات قوی وعزیز کا ذکر دو آیتوں میں نہیں آیا ہے، صرف اسی سورہ کے اندر آیا ہے، اسی طرح اس سورہ میں ربکم، اللہ، قدیر، شھید، إلھکم، سمیع، بصیر، لطیف، خبیر، المولی، النصیر اور دوسری صفات بار بار آئی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ منشائے الٰہی یہ ہے کہ انسان اپنے رب سے جڑا رہے، ہر وقت اس کے استحضار کرنے کی مشق کرے، اللہ کے حکم پر عمل کرنے میں لذت اور حلاوت محسوس کرے اور پھر اس مقام کو پہنچ جائے کہ اللہ کی محبت کو ہر چیز پر ترجیح دینے لگے، علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:

”وعلامة هذا الإيثار شيئان: أحدهما: فعل ما يحب الله إذا كانت النفس تكرهه وتهرب منه، والثاني: ترك ما يكرهه إذا كانت النفس تحبه وتهواه، فبهذين الأمرين يصح مقام الإيثار“ (اس ایثار کی علامت دو چیزیں ہیں، پہلی چیز یہ ہے کہ وہ کام کیا جائے جو اللہ کو پسند ہے خواہ اس کو نفس ناپسند کرتا ہو اور اس سے بھاگتا ہو، دوسرے یہ کہ وہ کام چھوڑ دیا جائے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتے ہیں، اگرچہ نفس اسے پسند کرتا ہو اور اس پر فریفتہ ہو، انہیں دو باتوں سے مقام ایثار حاصل ہوتا ہے) حج میں یہ کیفیت اور بھی مطلوب اور محبوب ہے۔

حج انسان کو بہت کچھ سکھاتا ہے، ہر مباح چیز کو اختیار کرنے اور عیش وعشرت کی زندگی گذارنے کی عادت عام ہوتی جارہی ہے، حج ان کو چھوڑنے کی مشق کراتا ہے، مشہور تابعی حضرت مسروق نے حج فرمایا تو حج کے پورے سفر میں سجدہ کی حالت میں ہی نیند پوری کی [صفة الصفوة: ج۲/۱۵]، یعنی جب تک ہمت ہوتی سجدۂ شکر بجالاتے پھر اسی حال میں سوجاتے تاکہ غفلت نہ ہو اور دوبارہ تازہ دم ہوکر عبادت میں مصروف ہوں، احرام کا پاکیزہ لباس انسان کو اس کے آخری سفر کو نگاہوں کے سامنے پیش کردیتا ہے، حج دلوں میں توحید کی عظمت بٹھاتا ہے، اور ’میں حاضر ہوں‘ کی پکار زندگی میں حضوری کی کیفیت عطا کرتی ہے، حج انسان کو انبیاء کی مقدس جماعت اور صحابہ کے نورانی کارواں سے ایک خاص لگاؤ اور انس پیدا کرتا ہے، کعبہ پر پڑنے والی پہلی نگاہ رب ذو الجلال والاکرام کی عظمت وجلال، اس کی کبریائی اور بزرگی کا ایک عجیب اور سرشار کردینے والا پرکیف احساس عطا کرتی ہے، اور یہ یقین دل میں بٹھاتی کہ:

جسے چاہا اپنا بنالیا، جسے چاہا در پہ بلالیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے، یہ بڑے نصیب کی بات ہے

مدینہ کی حاضری اور روضہ پہ جانا اور سلام شوق پیش کرنا یہ یقین دلاتا ہے کہ:

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید ایں جا

(کہ آسمان کے زیر سایہ دربار نبی وہ ادب کا مقام ہے جو عرش الٰہی سے بھی نازک تر ہے، یہاں جنید بغدادی اور بایزید بسطامی جیسے اولیا آتے ہیں تو خود کو بھول جاتے ہیں)، اور یہ شعور عطا کرتا ہے کہ حب نبی میں دیوانگی وفرزانگی دونوں کا امتحان ہے، مشہور مقولہ ہے کہ: ”باخدا دیوانہ باش وبا محمد ہوشیار“۔

جو خوش نصیب زندگی کے اس سب سے مبارک اور قابل رشک سفر کے لیے پابہ رکاب ہیں ان کو اپنے ذہنوں میں ہر ہر لمحہ پر یہ حقیقت بالکل تازہ رکھنی چاہیے کہ یہ جہاں سعادت کی بات ہے، انتہائی بڑی ذمہ داری ہے، اور ایک نازک کام ہے جس کے لیے ان کو شرف قبولیت سے نوازا گیا ہے، یہاں کی نیکی صد ہزار نیکیوں پر قربان، لیکن یہاں کی ایک لغزش ہزار خطاؤں اور سیاہ کاریوں سے بڑھ کر ہے، دلوں کو عُجب وریا اور کبر وغرور سے پاک رکھنا، نگاہوں کی حفاظت، غصہ پر قابو، غیبت اور بدگمانی سے پرہیز، نفسانی خواہشات پر کنٹرول، کسی کی تحقیر وتذلیل کے ادنیٰ شائبہ سے بچنے کی کوشش، یہ وہ باتیں ہیں جو ایک عازم حج کے لیے حج مبرور عطا ہونے کی واضح نشانیاں ہیں۔

سفر حج کی تیاریوں کے مراحل میں اور سفر حج کے دوران حضوری کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کیجیے:

وہ حُسن یک سوئی کا منظر یاد ہے اب تک
نگاہوں کا سمٹنا اور ہجوم نور ہوجانا

☆☆☆☆☆

تسلیم ورضا

قربانی کا مقصد

محمد ارمغان بدایونی ندوی

قربانی رضائے الٰہی کے حصول کا ایک بہتر ذریعہ اور دین اسلام کے تقاضوں کے سامنے تمام تقاضوں اور خواہشات کو دبانے کا نام ہے، اس کا تاریخی سلسلہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی قربانی سے ملتا ہے، دین اسلام میں سنت ابراہیمی کی اس اہم یادگار کو ہر سال تازہ کرنے کا تاکیدی حکم وارد ہوا ہے، جو شخص صاحب حیثیت ہونے کے باوجود اس سنت ابراہیمی کو تازہ نہ کرے تو ایسے شخص کے متعلق حدیث شریف میں زبان نبوت سے سخت الفاظ نکلے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے شخص کو اس دن خوشی منانے کا اسلامی رو سے کوئی حق نہیں، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا." [سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۳] (حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے پاس (مال کی) وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو ایسا شخص ہرگز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے)۔

دین اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ انسان اپنی ہر چیز کو اللہ پر قربان کرنے والا، اس کے احکامات کے آگے بغیر کسی تردد کے جھک جانے والا بن جائے، اس کے دل سے تمام چیزوں کی وہ عظمت کافور ہوجائے جس عظمت کی مستحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح اس کے دل سے ان تمام چیزوں کی وہ محبت بھی مٹ جائے جن کی موجودگی عموماً ذکر الٰہی سے غفلت کا سبب بن جاتی ہے، جیسے مال اور اولاد کی محبت، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کو اپنی مرضیات پر قربان کرنے کے لیے نمائندہ کے طور پر سال میں ایک مرتبہ ہر صاحب استطاعت پر "قربانی" واجب کی ہے۔ قربانی اس بات کا رمز ہوتی ہے کہ ایک صاحب ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑھ کر نہ کسی مذہب میں مقدس سمجھا جانے والا جانور ہے، نہ ہی اس کا اپنے ہاتھوں سے کمایا ہوا مال ہے اور نہ ہی کسی چیز کی محبت حکم الٰہی کے سامنے کوئی معنی رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شرعی حکم کی بنیاد پر انسان اپنے پیسوں سے ایک قیمتی جانور خریدتا ہے، اس کو کھلاتا پلاتا ہے اور انسانی فطرت کے مطابق وہ اس جانور سے مانوس بھی ہوجاتا ہے، مگر اس کے باوجود بھی وقت آنے پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اس پر چھری چلا دیتا ہے، جس کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کے ایک حکم پر محض اپنا جانور ہی ذبح نہیں کرتا بلکہ بالفاظ دیگر اپنی خواہش اور جذبہ محبت کو بھی قربان کردیتا ہے۔ قربانی کے اس عمل سے دین اسلام کا بھی یہی مقصد ہے کہ انسان کا مزاج ہر چیز کو رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر قربان کرنے والا بن جائے۔ ارشاد الٰہی ہے:

"لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ" [الحج: ۳۷] (اللہ کو ان کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا، ہاں اس کو تو تمہارے (دل) کا تقویٰ پہنچتا ہے)۔

معلوم ہوا قربانی کا مقصد گوشت وغیرہ نہیں بلکہ اصل مقصد رضائے الٰہی کا حصول اور قربانی کے جذبہ کا دلوں میں پایا جانا ہے۔ قربانی کے اسی اہم مقصد کے پیش نظر شریعت اسلامیہ میں ہر صاحب استطاعت پر قربانی واجب ہے، مگر افسوس کی بات ہے کہ چند لوگوں کے علاوہ آج خاصے دین دار حضرات کی نظروں سے قربانی کا یہ عظیم مقصد اوجھل ہوتا جارہا ہے، ان میں کچھ لوگ تو وہ ہیں جو قربانی کرتے ہیں مگر ان کا مقصد قربانی نہیں بلکہ معاشرہ میں اپنی شہرت ہوتا ہے اور بعض وہ ہیں جو اہل ایمان کے زمرے میں شمار ہونے اور کسی بھی درجہ میں دینی لگاؤ کے باوجود اپنے آپ کو اس حیثیت کا نہیں سمجھتے کہ وہ قربانی میں حصہ لیں، جب کہ قربانی میں صرف ہونے والی معمولی رقم سے کہیں زیادہ عید کی دیگر فضول تیاریوں میں وہ ایک خطیر رقم صرف کردیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے ایسے لوگوں کو عید کے دن خوشی کے اظہار کا کوئی حق نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال کو اسی کی راہ میں قربان کرنے سے بچتے ہیں اور اس کے متعلق زبان نبوت سے نکلے ہوئے سخت الفاظ کے باوجود ان کے سروں پر جوں نہیں رینگتی۔

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: میت کی طرف سے اگر قربانی کی جائے تو اس کے گوشت کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر میت وصیت کر کے مرا ہو یعنی یہ کہہ کر مرا کہ میرے مال میں سے میرے لیے قربانی کرنا تو ایسی قربانی کے گوشت کو فقراء اور مساکین پر خیرات کر دینا لازم ہے خود کھانا یا مالدار کو دینا درست نہیں ہے، ہاں! اگر اس کے مال سے قربانی نہیں کی خواہ وصیت کی ہو یا نہ کی ہو تو اس کے گوشت کا حکم وہی ہے جو اپنے مال سے قربانی کرنے کا ہے یعنی خود بھی کھا سکتے ہیں اور اپنے مالدار دوست احباب وغیرہ کو دے سکتے ہیں۔

[ردالمحتار، کتاب الاضحیۃ: ج۶/ص۳۳۶]

سوال: عورت اگر صاحب نصاب ہو اور اس کی طرف سے شوہر قربانی کر دے تو قربانی ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: جب عورت صاحب نصاب اور مالدار ہے تو خود اس پر قربانی واجب ہے، وہ اپنے مال سے قربانی کرے یا پھر عورت کی اجازت سے شوہر قربانی کرے تو قربانی ادا ہو جائے گی؛ لیکن عورت کی اجازت یا اس کو مطلع کئے بغیر اس کا شوہر قربانی کرے گا تو واجب قربانی ادا نہ ہوگی۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج۵/ص۳۹۳]

سوال: قربانی کیوں کی جاتی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے؟

جواب: قربانی دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار، ان کی پیغمبرانہ اور روحانی زندگی کی خاص خصوصیت اور ملت ابراہیمی کی اصل پہچان ہے یہ محض خون بہانے اور گوشت کھانے کا نام نہیں بلکہ قربانی نام ہے روح اور دل کو خدا کی راہ میں نچھاور کر دینے کا، اللہ تعالی کا فرمان ہے: "لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاءُ هَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوىٰ مِنْكُمْ "[سورۂ حج] خدا کے پاس قربانیوں کا خون اور گوشت نہیں پہنچتا، اس کے پاس صرف تمہارا تقویٰ پہونچتا ہے، یعنی قربانی کا مقصد روح اور دل کو خدا کی راہ میں نچھاور کرنا ہے، اور خدا کے ہر حکم پر اپنے کو مٹا دینا ہے۔

سوال: قربانی کے گوشت کے استعمال کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: گوشت کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اسکے تین حصے کئے جائیں، ایک حصہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے رکھے، دوسرا حصہ اعزہ واقارب اور دوست احباب کو دے اور تیسرا حصہ فقراء ومساکین میں تقسیم کرے۔

[بدائع الصنائع: ج۵/ص۸۱]

سوال: قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو بھی دیا جاسکتا ہے، فقہاء کی صراحت موجود ہے۔

[فتاوی ہندیہ: ج۵/ص۳۰۰]

سوال: ایک شخص نے قربانی کی نیت سے ایک بکرا پالا، حسن اتفاق کہ وہ اتنا فربہ ہو گیا کہ اس کی قیمت ایک گائے کے بقدر ہو گئی، اس نے بکرے کو فروخت کر دیا اور ایک گائے خریدی، اس کے بعد سات افراد کی طرف سے قربانی کر دی، کیا یہ قربانی ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو سب کی طرف سے ہوئی یا صرف ایک فرد کی طرف سے؟

جواب: قربانی کی نیت سے بکرا پالنے سے اس کی قربانی متعین نہیں ہو جاتی، اس لیے اس کے بدل میں گائے خرید کر سات آدمی کی طرف سے جو قربانی کی گئی ہے وہ سب کی طرف سے ہوگئی۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج۵/ص۲۹۴]

سوال: چند لوگوں نے ایک بڑے جانور میں شریک ہو کر قربانی کی، تمام شرکاء نے ایک حصہ کی رقم مشترک طور پر جمع کی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کی تو کیا یہ قربانی ہوگئی؟

جواب: تمام شرکاء کی طرف سے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی قربانی ہوگئی، ساتویں حصہ کی قیمت خواہ ایک شخص نے دی یا تمام شرکاء نے دی بہر دو صورت قربانی درست ہوگئی۔

[الدر المختار مع ردالمحتار: ج۶/ص۳۶۶]

سوال: ایک شخص نے پڑوا خریدا، دیکھنے میں بظاہر سال بھر کا معلوم ہوتا ہے لیکن دانتا نہیں ہے، کیا اس کی قربانی درست ہے؟

جواب: جب عمر معلوم نہ ہو تو سال بھر ہونے کے لیے ظاہری علامت دانتا ہونا ہے، اگر یہ ظاہری علامت بھی نہیں ہے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔

سوال: چرم قربانی کی رقم عیدگاہ کی تعمیر، وضوخانہ بنوانے، اور لاوارث لاش کی تدفین کے فنڈ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: چرم قربانی کی رقم کا حکم مال زکوٰۃ کا ہے، اس لیے اس سے مسجد، مدرسہ اور عیدگاہ کی تعمیر یا وضوخانہ بنوانا یا مردوں کی تدفین میں دینا درست نہیں ہے۔

[ردالمحتار: ج۶/ص۳۳۶]

☆☆☆☆☆

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

باسمہٖ تعالیٰ

تاریخ ۲۵ مئی ۲۰۲۴ء

Date 25th May 2024

اہلِ خیر حضرات سے

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی، دینی، تعلیمی و تربیتی خدمات انجام دے رہا ہے، اور ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لیے ندوۃ العلماء کو قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور اسلامی علوم کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے صدقات و عطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) جعفر مسعود حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

NADWATUL ULAMA

عطیات	A/c No. 1086 3759 711
تعمیرات	A/c No. 1086 3759 733
زکوٰۃ	A/c No. 1086 3759 766

IFSC CODE : SBIN000125 - STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA
اور اس پتہ پر ارسال کریں
NIZAMAT NADWATUL ULAMA
Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر
+91-8736833376
پر مطلع فرمانے کی زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔
فجزاکم اللہ خیر الجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا